رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر (۱)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر

میر حسن الدین بی اے ایل ایل بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ے
سہ ماہی .... ے

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ے
سہ ماہی .... ے

قیمت فی پرچہ (۲ر)

قیمت پرانا پرچہ (۴ر)

جلد (۲) | ۱۷ ردی سنہ ۱۳۵۲ف | ۱۲ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۱ھ | ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء شنبہ | نمبر (۳۲)

برطانیہ، روس اور امریکہ کا اتحاد ترقی کر رہا ہے

دوسرے محاذ کی اہمیت

ماسکو سوویٹ میں اسٹالن کی تقریر

انقلاب روس کی ۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر ماسکو سوویٹ کے اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے اسٹالن نے کہا کہ حکومت کی سرگرمیاں دو شعبوں میں جاری رہیں ——— داخلی محاذ کی تنظیم اور سرخ فوج کی اقدامی اور مدافعتی کارروائیاں۔ داخلی محاذ پر جاری سرگرمیوں کی خصوصیت یہ تھی کہ صنعتوں کو مشرقی روس میں منتقل کیا گیا زراعت کے رقبہ کو وسعت دی گئی اور محاذ کے عقب میں مزدوروں کے ضبط و نظم کو مستحکم کیا گیا۔

یورپ میں دوسرے محاذ کا ذکر کرتے ہوئے اسٹالن نے کہا کہ اگر دوسرا محاذ قائم کیا جاتا تو جرمنی کے (۶۰) ڈویژن اور اس کے اتحادیوں کے (۲۰) ڈویژن ہٹائے جاتے۔ اس طرح نازیت کے خاتمہ کی ابتداء ہوتی۔ مصر میں برطانیہ کی مہم کی وجہ سے (۴) جرمن اور (۱۱) اطالوی ڈویژن ہٹائے گئے۔ دوسرا محاذ نہ ہونے کی وجہ سے روس کو (۲۴۰) جرمن ڈویژن کا مقابلہ کرنا پڑا۔

گزشتہ سال کی لڑائی میں موسم سرما کے زمانہ میں سرخ فوجوں نے جرمنی کے حملوں کو پسپا کر کے چار مہینے میں (۲۲۵) میل پیش قدمی کی۔ اس جنگ کا دوسرا دور وہ تھا جبکہ جرمنی کی فوجوں نے جنوب مغرب میں ہمارے خطوط پر حملہ کیا۔ اس حملہ کا مقصد یہ تھا کہ سوویٹ روس کی فوجوں کو ماسکو سے منقطع کر دیا جائے۔

جرمنی کا مطمح نظر

واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تیل کے چشموں کی طرف جرمنی کی پیش قدمی ایک ضمنی مقصد کے لئے تھی۔ محاذ پر جرمنی کو تدبیر جنگ میں بڑی کامیابی اس وجہ سے ہوئی کہ وہ اپنی ساری محفوظ فوجوں کو مشرقی محاذ پر جمع کر سکا اور اس ایک محاذ پر عددی برتری حاصل کر لی۔ دوسرے محاذ کے فقدان کی وجہ سے جرمنی کو بلا خطرات ان ... پالیسیوں کو روبہ عمل لانے کا موقع ملا۔ جرمن پیش قدمی کا اصلی مقصد ماسکو کو مشرق سے اور کو دا اورل سے منقطع کرکے خود ماسکو پر ضرب لگانا تھا۔ جنوب کی جانب جرمنی کی پیش قدمی کا مقصد تیل کے چشموں پر قبضہ کرنا نہیں تھا۔ اس حال میں جرمن جنرل اسٹاف کا ایک افسر گرفتار ہوا ہے جس کا یہ بیان ہے کہ جرمن ہائی کمان کا منصوبہ یہ تھا کہ ۲۵ جولائی تک اسٹالن گراڈ پر قبضہ کر لیا جائے اور ۲۵ ستمبر تک ... کر لیا جائے۔ ان واقعات سے ہماری اس اطلاع کی توثیق ہوتی ہے کہ جون میں جرمنی کے تیز حملے کا منشاء ماسکو کو مشرق سے منقطع کرکے خود ماسکو پر حملہ کرنا تھا۔ گزشتہ موسم سرما میں نازی فوجیں ماسکو کے قریب پہنچ چکی تھیں لیکن یورپ میں دوسرا محاذ نہ ہونے کی وجہ سے جرمنی بچ گیا ——— موجودہ جنگ کو گزشتہ جنگ عظیم کی لڑائی سے مقابلہ کرنا درست نہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم میں یورپ میں ایک دوسرا محاذ موجود تھا لیکن اس وقت ہمیں روسی تعداد سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرخ فوج کو کن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور آزادی کی جنگ میں کس قدر جانبازی سے نازی حملوں کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ کوئی دوسرا ملک اور کوئی دوسری فوج جرمنی کے حملوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ کیا دوسرا محاذ قائم ہوگا؟ ہاں قائم ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے بلکہ اس لئے کہ خود متحدین کو اس کی ضرورت ہے۔ اس جنگ کے دوران میں جو نازی جرمنی نے اقوام عالم پر مسلط کر دیا ہے دو گروہ قائم ہو گئے ہیں ——— ایک اٹلی اور جرمنی کا اتحاد ہے اور دوسرے برطانیہ، روس اور امریکہ کا اتحاد۔ یہ واقعہ ناقابل تردید ہے کہ یہ دو گروہ دو متضاد اور مختلف پروگرام پر کاربند ہیں۔

دول محور کا پروگرام

اٹلی اور جرمنی کے پروگرام کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے۔ نسلی منافرت، چند اقوام کا تفوق، دوسری قوموں پر تسلط، دوسرے ممالک کی تسخیر، مفتوحہ اقوام کی سیاسی غلامی، جمہوری آزادی کا قلع قمع اور فاسستی نظام کو قیام۔

برطانیہ، روس اور امریکہ کے اتحاد کا پروگرام یہ ہے: نسلی برتری کا قلع قمع، اقوام عالم کی مساوات، مفتوحہ اقوام کی آزادی، ان کے اقتدار کی بحالی، ہر قوم کو حسب مرضی طرز حکومت رائج کرنے کی آزادی، مصیبت زدہ اقوام کی معاشی امداد، جمہوری آزادی کی بحالی اور نازی دور کا خاتمہ۔

اٹلی جرمن اتحاد کے پروگرام کا یہ نتیجہ مرتب ہوا کہ یورپ اور روس کے مقبوضہ علاقوں میں جرمنی اور نازی مظالم کے خلاف نفرت کی ایک آگ بھڑک اٹھی اور اس کے باشندے جرمنوں کو جس قدر ممکن ہو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس دن کے منتظر ہیں کہ جبکہ وہ اس وحشیانہ نظام سے نکل سکیں گے۔ موجودہ صورت حال میں اٹلی اور جرمن اتحاد کی

باقی صفحہ (۵) پر

مملکت
ہفتہ وار

جلد (۲)	۷ اردی بہشت سنہ ۱۳۵۲ ف	نمبر (۳۲)

جنگ کا نقشہ بدل رہا ہے

افریقہ میں برطانوی اور امریکی مہم نے یورپ میں فوجی اور سیاسی موقف کو متحدین کے موافق بدل دیا ہے۔ اس سے مشرقی محاذ (روس) پر جرمنوں کا دباؤ بہت جلد کم ہو جائے گا اور روسی افواج عزت کے ساتھ جنگ میں اپنا حصہ پورا کریں گی۔ اس مہم کا مطلب ہے کہ اقدام اب متحدین کے ہاتھ میں آگیا ہے اور یورپ میں جنگی صورت حال میں برطانوی سوویٹ اور امریکی اتحاد کے موافق ایک عظیم تغیر رونما ہوگا۔ جرمنی کا وقار گھٹ جائے گا اور ہٹلر کے دوستوں کی اخلاقی حالت بگڑ جائے گی۔ اس مہم نے فرانس کو اس کی سیاسی غنودگی سے بیدار کر دیا ہے۔ ہٹلر کے خلاف فرانس کی فوجوں کو بھی کیا جا رہا ہے ...... بالآخر جرمنی کے اہم مراکز کے قریب یورپ میں ایک دوسرے محاذ کے قیام کی بھی تمہید ہو رہی ہے۔

(اسٹالن)

شمالی افریقہ میں واقعات اس سرعت کے ساتھ ظہور پذیر ہو رہے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ ایک طرف سے آٹھویں فوج نے رومل کی فوجوں کو شکست دے کر پیچھے ڈھکیل دیا اور دوسری طرف شمالی افریقہ کے فرانسیسی علاقہ میں مراقش اور الجیریا کے راستہ سے امریکی فوجیں اتاری گئیں۔ اور رومل کی فوجوں کو دو جانب سے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ مترشح ہوتا ہے کہ اب اقدام دشمن کے ہاتھ سے نکل کر متحدین کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جرمن ہائی کمانڈ نے جو اپنی تنظیم اور قوت ہے فوراً اپنا دوسرا قدم اٹھایا اور فرانس کے غیر مقبوضہ علاقہ میں جرمن فوجیں داخل ہو گئیں۔ مسٹر چرچل نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے جنگ پر ایک جامع تبصرہ کیا ہے جس میں انھوں نے بتلایا ہے کہ ہٹلر کو یہ معلوم تھا کہ اقوام متحدہ دول محور کو ضرب لگانے کی تیاری کر رہے ہیں مگر اس کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ضرب کہاں اور کب لگائی جائے گی۔ اقوام متحدہ کی تیاریاں اس قدر راز میں رکھی گئی تھیں کہ اس اچانک ضرب کا نازی فوجیں مقابلہ نہ کر سکیں۔

مصر

مصر کی لڑائی کو مسٹر چرچل نے ایک تاریخی لڑائی سے تعبیر کیا ہے۔ برلن ریڈیو سے اعلانات ہو رہے ہیں کہ جرمن آبدوز کشتیاں برطانوی جہاز ڈبوئے چلے جا رہی ہیں جرمنی کے اس ادعا کے باوجود برطانوی جہازوں نے چودہ ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے راس امید کا چکر کاٹتے ہوئے آٹھویں فوج کو مصر میں بروقت کمک پہنچائی۔ امریکی کمک بھی تھی جس کی مدد سے آٹھویں فوج نے رومل کو مصر سے نکال باہر کیا۔ رومل کو غفلت میں رکھا گیا تھا۔ اس کو برطانوی فوج اور سامان جنگ کی مقدار کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ اس کو یقین تھا کہ وہ مصر میں آٹھویں فوج کو شکست دے سکے گا اگر اس کو یقین نہ ہوتا تو وہ اپنے عقب میں اطالوی فوجوں کو غیر محفوظ حالت میں نہ رکھتا۔ وہ اطالوی فوجوں کو ان کی قسمت پر چھوڑ کر مصر و لیبیا سے گزر کر تیونس کی طرف ہٹ رہا ہے۔

محاذ مصر سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ شمالی افریقہ کے فرانسیسی علاقہ میں امریکی فوجوں کا اترنا ہے۔ فرانسیسی علاقہ میں امریکی فوجوں کے داخلہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمالی افریقہ سے دول محور کی فوجوں کو بالکلیہ نکال باہر کیا جائے۔ اس کے رد عمل کے طور پر ہٹلر نے لاوال کو میونخ میں طلب کیا اور حکومت وشی کو حکم دیا کہ وہ اقوام متحدہ کے خلاف اعلان جنگ کر دے مگر وشی اس پر راضی نہ ہوا۔ اس کے بعد ہٹلر نے مارشل پیٹاں کے احتجاج کے باوجود اپنی فوجوں کو غیر مقبوضہ فرانس میں داخل ہونے کا حکم دیدیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فرانس کے اس ساحل کو جو بحر روم کی طرف واقع ہے متحدین کے حملے سے محفوظ کر دیا جائے مگر اس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ امریکی فوجوں کو طرابلس تک پہنچنے سے باز رکھنے کے لئے تیونس میں جرمن اور اطالوی فوجیں اتاری جا سکیں۔

فرانسیسی افریقہ

تازہ ترین اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی فوجیں افریقہ کے فرانسیسی علاقوں میں اترنے میں کامیاب ہو گئیں۔ الجیریا نے ہتھیار ڈال دئے۔ کاسابلانکا اور اوران پر متحدین کا قبضہ ہو گیا اور چار روز کے اندر فرانسیسی علاقہ میں لڑائی موقوف ہو گئی۔ متحدین کے اس اقدام کے جواب میں ہٹلر نے معاہدہ کے خلاف غیر مقبوضہ فرانس پر حملہ کر دیا۔ ہٹلر کا یہ اقدام غیر متوقع نہیں تھا۔ اس کا رد عمل یہ ہوا کہ امیر البحر دارلان نے جن کو حکومت وشی نے شمالی افریقہ روانہ کیا تھا فرانسیسی بحریہ کے نام یہ حکم جاری کیا کہ وہ بندرگاہ طولان سے نکل جائے تاکہ نازیوں کا اس پر قبضہ نہ ہو سکے۔ اس وقت امریکی اور برطانوی فوجیں تیونس کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ فرانسیسی فوجیں متحدین کی تائید میں ہیں۔ تیونس میں جرمنی کی بحری اور ہوائی فوجیں اتر رہی ہیں۔ وشی ریڈیو کا اعلان ہے کہ جرمن تیونس پر اپنا قبضہ قائم رکھنے جا رہے ہیں۔ ہٹلر چاہتا تھا کہ تیونس کے راستے سے فرانسیسی فوجوں کو مدد دے کر متحدین کے خلاف لڑائے لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ فرانسیسی فوجیں خود جرمن فوجوں کے خلاف لڑ رہی ہیں اور فرانس کی فوجوں کو متحدین کی امداد پہنچ رہی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو تیونس میں ہٹلر کے عزائم پورے نہیں ہو سکتے۔

اس وقت جنگ کی صورت حال متحدین کے لئے امید افزا ہے۔ اگر متحدین کی فوجیں طرابلس کی سرحد پر ایک بار پہنچ جائیں تو رومل کی فوجوں کا بچ نکلنا دشوار ہے۔ شمالی افریقہ پر متحدین کے مکمل قبضہ سے کئی دور رس نتائج مرتب ہوں گے۔ ایک تو متحدین کے جہازوں کے لئے بحر روم کا راستہ کھل جائے گا اور اس راستے کے کھل جانے سے متحدین کے جہازوں کو راس امید کا چکر کاٹ کر مشرق وسطیٰ، ہندوستان اور چین کو سامان جنگ پہنچانے کی جو دشواریاں ہیں رفع ہو جائیں گی۔ دوسرے یہ کہ اٹلی پر ہوائی اور بحری حملوں کے لئے شمالی افریقہ میں مراکز قائم ہو سکیں گے۔ اس کے علاوہ مغربی افریقہ میں بندرگاہ ڈاکر جو متحدین کے جہازوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ثابت ہو رہا تھا آگے چل کر متحدین کے قبضہ میں آ جائے گا۔ متحدین کی ان تدابیر جنگ پر خراج تحسین ادا کرتے ہوئے خود اسٹالن کہتا ہے کہ یورپ میں سیاسی اور جنگی موقف متحدین کے موافق بدل گیا ہے۔ تاہم جرمنی کی فوجی طاقت کو ابھی کمزور سمجھنا ایک غلطی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر شمالی افریقہ ہٹلر کی فوجوں سے صاف ہو جائے تو ہٹلر کو ایک نازک صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور اس کو یورپ کے سارے شمالی اور جنوبی ساحل پر دفاعی انتظامات کرنے پڑیں گے اور اقدام کے بجائے مدافعت کی پالیسی پر کاربند ہونا پڑے گا۔

روس

روس میں جرمن فوجیں اسٹالن گراڈ کو فتح کرنے کی ایک آخری کوشش کر رہی ہیں۔ یہ آخری کوشش ماہ اکتوبر سے شروع ہوئی تھی جو اب تک کامیاب نہ ہو سکی۔ تازہ ترین اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسٹالن گراڈ اور متعلقہ(؟) میں جرمن فوجیں آگے نہ بڑھ سکیں۔ اسٹالن گراڈ میں نازیوں کو شدید برف کے طوفان اور خنک ہوا(؟) سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ جرمنوں نے ایک جمعیت کو میدان جنگ میں جھونک دیا جس نے متعدد مرتبہ روسی خطوط میں خلل پیدا کر دیا تھی لیکن اس کو بالآخر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ماسکو کے ایک مبصر کا بیان ہے کہ جرمنی کے حالیہ حملے خطرناک رہے لیکن ان کی نوعیت صرف مقامی رہی اور یہ صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ اسٹالن گراڈ پر جرمن حملہ کا دباؤ گذشتہ ایک دو ہفتوں سے بہت کمزور ہو چکا ہے۔

تاہم یہ روسی فوجیں کامیابی حاصل کرتی جا رہی ہیں۔ بحر اسود کے ساحل کے قریب تو اس کے شمال مشرق میں جرمن فوجیں ایک پہاڑی پر اب تک قابض ہیں۔ جوں جوں روس میں برف باری بڑھتی جائے گی جنگ کی رفتار سست ہو جائے گی اور ہٹلر کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ اپنے موجودہ طویل محاذ مواصلات کو قائم رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ یورپ کے شمالی اور جنوبی ساحل کی مدافعت کے ساتھ ساتھ روس میں ایک طویل محاذ مواصلات کو برقرار رکھنا ہٹلر کے لئے ممکن ہو سکے گا یا نہیں۔ اس کا جواب آیندہ واقعات دیں گے۔

بحر الکاہل

جزائر سلیمان میں جاپانی بحریہ نے کچھ عرصہ دم لینے کے بعد پھر حملہ شروع کر دیا ہے اور گوڈلکنال کے قریب ایک زبردست بحری لڑائی ہو رہی ہے۔ جزائر سلیمان کی قسمت کا فیصلہ اس لڑائی پر منحصر معلوم ہوتا ہے۔ جنرل میک آرتھر کے جاری کردہ ایک کمیونکے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اتحادیوں کی فوجوں نے بونا کو گھیر لیا ہے۔ نیوگنی میں آسٹریلیا اور امریکہ کی فوجوں میں اتصال قائم ہو گیا ہے۔ جاپانی فوجوں کی پشت پر جنگل اور سمندر ہیں اور ان کے مقابل میں بجانب جنوب مغرب اتحادیوں کی فوجیں۔ اتحادیوں کے طیارے جاپانی مراکز اور رسدی جہازوں پر لگاتار حملے کر رہے ہیں اور رسد اور امدادی کمک کے ذرائع پر آتش زدگیاں ہو رہی ہیں۔ بحر الکاہل کی لڑائی کا اندازہ یوں ہے کہ اتحادیوں کی آبدوز کشتیاں اور ہوائی جہاز جاپانی بحریہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ جاپان کی بحری کمزوری سے اتحادیوں کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور دول متحدہ کے اقتدار جنگ کو بلند کرنے میں جو مدد ملتی ہے محتاج بیان نہیں۔

چاول اور جوار کی گرانی

چند روز قبل چاول اور جوار کی قیمتوں میں جو غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا اس کی وجہ سے عوام میں ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی ہے۔ اس بے چینی کو رفع کرنے کے لئے [illegible] کی مجلس نگرانی نرخ اشیاء نے ایک صحافتی بیان جاری کیا اور پبلک کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ بلدہ حیدرآباد میں چاول اور جوار کے کافی ذخائر موجود ہیں، چاول اور جوار پر راشننگ کی افواہیں بالکل غلط ہیں اور پبلک کو چاہئے کہ غلط اندیشوں کی بنا پر ان اجناس کا ضرورت سے زیادہ اندوختہ نہ کریں۔ اس کے چند روز بعد معلومات عامہ سے ایک پریس نوٹ جاری کیا گیا جس میں اس افواہ کی تردید کی گئی کہ بلدہ میں چاول اور جوار کے ذخائر کم ہو گئے ہیں اور اس بات کی بھی صراحت کی گئی کہ ان اجناس کا نیا راشن مقرر ہونے والا ہے۔ نیز پبلک کو مطلع کیا گیا کہ وہ بے بنیاد افواہوں کی بنا پر مقررہ نرخوں سے زیادہ قیمتیں دے کر یہ اجناس ضرورت سے زیادہ مقدار میں نہ خریدیں۔ ان اعلانات کے باوجود ہم سنتے رہے کہ بازار میں مقررہ نرخوں پر چاول اور جوار کا دستیاب ہونا مشکل ہو رہا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سال چاول اور جوار کی پیداوار حیدرآباد میں بہت اچھی رہی۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر نرخوں میں اضافہ کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض حلقوں کا بیان ہے کہ کافی مقدار میں جوار کی برآمد کی جا رہی ہے اور نرخوں میں اضافہ کی اصلی وجہ یہی ہے۔ اگر اس بیان میں کوئی اصلیت ہے تو ہم حکومت سے استدعا کریں گے کہ وہ اجناس خوردنی کی برآمد کو ممنوع قرار دے تاکہ حیدرآباد اجناس کی حد تک خود مکتفی ہو سکے۔ اس کے علاوہ عوام کی روزمرہ ضروریات میں چاول اور جوار کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کی قیمتوں پر قابو رکھنا عوام کو مطمئن رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مجلس نگرانی نرخ اشیاء اس مسئلہ پر اپنی خصوصی توجہ مبذول کرے گی اور ساتھ ہی ساتھ بیوپاریوں کا بھی فرض ہے کہ وہ نفع اندوزی سے زیادہ غریبوں کی پریشانی کو ملحوظ رکھیں۔

کانگریسی حکومت نے بے اعتمادی پیدا کی

ڈاکٹر امبیڈکر کا بیان

نمائندہ "ہندو" مدراس سے ایک صحافتی ملاقات میں ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا کہ اس وقت ہندوستان میں قومی حکومت قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کا موجودہ سیاسی تعطل اکثریت اور اقلیتوں کی باہمی بے اعتمادی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک ناگوار واقعہ ہے کہ کانگریس اپنے دور حکومت میں اکثریت اور اقلیتوں کے مابین بے اعتمادی پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ کانگریسی وزارتوں کے کارناموں پر نکتہ چینی کرنا مقصود نہیں۔ ہر حکومت کی سرگرمیوں کو اس کے مخالفین [illegible] سمجھتے ہیں۔ بہرحال کانگریس کا ایک فعل ایسا تھا جس کی نسبت کوئی بحث نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایک ایسا فعل تھا جو سوچ سمجھ کر عمداً کیا گیا تھا یعنی مجلس وزراء سے اقلیتوں کو باہر رکھنا۔ یہ فعل نہ صرف ناجائز تھا بلکہ اس سے کانگریس کی بدعہدی ثابت ہوتی ہے۔

مجلس وزراء میں اقلیتوں کی نمائندگی کا مسئلہ گول میز کانفرنس میں کانگریس اور اقلیتوں کے مابین بہت اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ اقلیتیں اس بات پر مصر تھیں کہ دستور میں ایک فقرہ کا اضافہ کیا جائے کہ ان کے حق نمائندگی کا تحفظ کیا جائے۔ کانگریس مصر تھی کہ اس چیز کو عملدرآمد پر چھوڑ دیا جائے۔ بالآخر ایک درمیانی راستہ دریافت کیا گیا اور دستاویز ہدایات میں جو گورنروں کے نام جاری ہوئی تھی یہ فقرہ درج کیا گیا کہ گورنر اس بات کا لحاظ رکھیں کہ اقلیتوں کو مناسب نمائندگی دی جائے گی۔ بدقسمتی سے کانگریس نے جو آخری بات میں کامیاب ہو چکی تھی عہدے قبول کرنے سے پہلے یہ شرط پیش کی کہ گورنر ان اختیارات تمیزی کو استعمال نہ کریں جو زیادہ تر اقلیتوں کے تحفظ سے تعلق رکھتے تھے۔ کانگریس نے گورنروں سے مطالبہ کیا وہ ان اختیارات کو ترک کر دیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اس روش کا اثر اقلیتوں پر کیا پڑے گا۔ اقلیتوں کو اس تحفظ کے امکان سے محروم کرنے کے بعد کانگریس نے مجلس وزراء میں ان کی شمولیت کے حق کو مسترد کر دیا۔ اور اقلیتیں اس امید میں رہ گئیں کہ کانگریس ان کے حق کو تسلیم کرے گی۔ اس طرح کانگریس نے بدعہدی کی۔ یہ چیز مسلم لیگ کے عروج کی ذمہ دار ہے۔ اس سے ہندوستان کی ہندو اکثریت اور اقلیتوں کے مابین بے اعتمادی پیدا ہو گئی۔

جو شخص انگلستان اور اسکاٹ لینڈ اور انگلستان اور آئرلینڈ کے باہمی تعلقات کی تاریخ پڑھے گا اس کو دوستانہ طرز عمل کی اہمیت محسوس ہوگی۔ آج اسکاٹ لینڈ انگلستان کا دوست ہے کیونکہ انگلستان نے اس کے حقوق کا احترام کیا ہے۔ مگر انگلستان اور آئرلینڈ میں دشمنی ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان کی اکثریت یہ بھول رہی ہے کہ اقلیتیں ایسی روش اختیار نہیں کر رہی ہیں جو سد راہ بن رہی ہو۔ یہ ایک بدقسمتی کی بات ہے کہ مسلم لیگ نے دوسری اقلیتوں سے ہٹ کر ایک علحدہ روش اختیار کی ہے۔ میرے خیال میں اس متنازعہ فیہ مسئلہ پر لیگ نے آخری الفاظ نہیں کہے ہیں۔ ہمارے سامنے اصل مسئلہ یہ ہے کہ بین الاقوامی دائرے میں ہندوستان کی حیثیت کو طے کیا جائے۔ دو چیزیں بڑی ہی تکلیف دہ ہیں۔ اولاً دنیا ہندوستان کو ایک منڈی سمجھتی ہے جہاں چیزیں بیچی اور خریدی جا سکتی ہیں۔ اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے۔ اگر جرمنی یا کوئی دوسرا ملک فتح کر لیا جائے تو فاتح قوم مفتوح قوم پر اپنا اقتدار قائم کرے گی اور اس کو اپنی سلطنت کا حصہ نہیں بنائے گی۔ لیکن ہندوستان کی حد تک اگر اس کو کوئی قوم فتح پائے تو فاتح قوم یہاں حکمراں طاقت کی حیثیت سے قائم رہے گی۔ اس پہلو پر اقلیتیں کافی توجہ نہیں کر رہی ہیں۔ یہ مسئلہ کہ ہندوستان ایک منڈی کی حیثیت سے ترقی کر کے ایک ذی عزت قوم بن جائے اور اس کو آزادی کا حق حاصل ہو جائے اس وقت حل ہو سکتا ہے کہ جبکہ اکثریت اور اقلیتیں دونوں [illegible] ایک متحدہ محاذ پیش کریں۔ اس کے لئے باہمی اعتماد کی ضرورت ہے۔

موجودہ تعطل کی نسبت میں حسب ذیل خیالات رکھتا ہوں۔ اگر ہندوستانی تعطل کا حل اختتام جنگ تک ملتوی کیا جائے تو میرے نزدیک کوئی نقصان نہیں۔ چونکہ قومی حکومت اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی جو موجودہ حکومت کر رہی ہے۔ میرے خیال میں قومی حکومت اس سے زیادہ رنگروٹ اور سامان جنگ مہیا نہیں کر سکتی۔ ہمیں ہندوستان کے عسکری حلقوں سے کافی رنگروٹ دستیاب ہو رہے ہیں۔ اگر قومی حکومت جبری بھرتی شروع کرے تو شاید زیادہ رنگروٹ دستیاب ہوں۔ سامان جنگ زیادہ تر باہر سے درآمد کیا جا رہا ہے اور میرے خیال میں قومی حکومت درآمد میں اضافہ نہیں کر سکتی۔

اگر ہندوستان کو کوئی خطرہ ہے تو وہ بہت کم ہے۔ میرے خیال میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ ہندوستان پر کبھی دشمن حملہ کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ دشمن بھاگتا نظر آ رہا ہے۔ قومی حکومت قائم کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں ہے جبکہ اس قومی حکومت کی تشکیل برطانیہ کے ہاتھ سے ہوگی اور اس میں مختلف فرقوں کے حقوق کا لحاظ نہ ہوگا۔ میری رائے یہ ہے کہ ایسی قومی حکومت جس میں مختلف فرقوں کی نمائندگی مناسب ہو ضرور قائم ہونی چاہئے۔ ایسی حکومت

(بقیہ صفحہ (۱۲) پر)

تعلیم اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی

ملک کی فلاح و بہبود کے لئے ذاتی مفاد اور فرقہ وارانہ اغراض قربان کرنیکی ضرورت

ہندوستان میں قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے میں نظام تعلیم اہم اور بنیادی حصہ لے سکتا ہے چنانچہ ممالک محروسہ کی تعلیمی پالیسی اسی اصول پر مبنی ہے اور سید علی اکبر صاحب معتمد و ناظم تعلیمات سرکار عالی نے اپنی ایک تقریر میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ یہ تقریر حال ہی میں حیدرآباد سے نشر کی گئی تھی۔ علی اکبر صاحب نے اپنی تقریر میں یہ واضح کیا کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی تاریخ کا سرسری مطالعہ بھی یہ ثابت کر دے گا کہ ان ممالک میں قومی اتحاد اور حب وطن کو فروغ دینے میں ان کے نظام تعلیم کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور اس ضمن میں روس اور ترکی کی مثالیں تاریخ سے ہندوستان بہت کچھ سبق لے سکتا ہے کیونکہ ان ممالک نے ہم کو جو ایک اہم سبق دیا وہ یہ ہے کہ اگر کسی ملک کے باشندے متحد ہو کر اپنی حالت کو درست کرنے کا تہیہ کر لیں تو صدیوں نہیں بلکہ چند ہی سال میں وہ ترقی کے میدان میں کہاں سے کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

بدقسمتی سے ہندوستانیوں میں نہ اتفاق موجود ہے اور نہ ایسے ارادوں کی قوت اور ہمارے آپس کے اختلافات اس درجہ بڑھ گئے ہیں کہ بہت سے وطن پرست ہندو اور مسلمان قائدین جنہوں نے ہندوستانیوں کو ایک قوم بنانے کی کوشش میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا تھا وہ بھی اب اس سے مایوس ہو چکے ہیں۔

تعلیم کی اہمیت

قومی اتحاد کے حصول میں تعلیم کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے علی اکبر صاحب نے اس امر پر زور دیا کہ تعلیم کا ایک اہم ترین مقصد یہ ہے کہ آئندہ چل کر وہ نہ صرف افراد بلکہ ملک کے لئے بھی مفید ثابت ہو۔ ان کو ایسی تعلیم اور تربیت دینی چاہئے کہ وہ اچھے شہری بن سکیں اور اپنے ملک اور قوم کی ترقی میں حسب حیثیت حصہ لے سکیں۔ حب وطن اور قومی اتحاد کی بنیادیں اسی وقت مضبوط ہو سکتی ہیں جب کہ وہ بچپن میں ڈالی جائیں جو بڑا ہی نقش پذیر زمانہ ہوتا ہے اس لئے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ابتدا ہی سے ہندو اور مسلمان بچوں کو ایک ساتھ پڑھنے لکھنے اور کھیلنے کا موقع دیا جائے۔ بچپن میں جو خوشگوار تعلقات آپس میں پیدا ہوتے ہیں وہ آگے چل کر بھی قائم رہتے ہیں اور اس دوستی اور یگانگت سے آپس کی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔

اسکول اسپرٹ

اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے علی اکبر صاحب نے کہا کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے محض اوقات مدرسہ میں مختلف فرقوں کے بچوں کا یکجا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ مدرسہ کا ماحول ایسا ہونا چاہئے کہ طلبہ میں اسکول اسپرٹ کی نشوونما ہو سکے اور مدرسہ سے وہ انس اور محبت کرنے لگیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے اور طلبہ کو شہریت کی تربیت دینے نیز ان کی کردار سازی کے لئے زائد از نصاب مصروفیات مثلاً میدانی کھیل، تعلیمی تفریح اور اسکاوٹنگ کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے ان مصروفیات کے ذریعہ طلبہ کو ایک دوسرے سے دوستی پیدا کرنے، مل کر کام کرنے اور کسی مشترک مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اجتماعی کوشش کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ مدرسہ کی شہرت اور نیک نامی میں اضافہ ہو۔ طلبا میں اسی قسم کا جوش پیدا کرنا حب الوطنی کی بنیاد ڈالنا ہے۔ علی اکبر صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ زائد از نصاب مصروفیات میں سب سے زیادہ اہمیت بوائے اسکاوٹنگ کو حاصل ہے کیونکہ بوائے اسکاوٹس کے آپس کے تعلقات برادرانہ ہوتے ہیں اور ہر ایک بوائے اسکاوٹ کو یہ اقرار و اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ وہ ملک کی خدمت کریگا اور بلا لحاظ قوم و ملت دوسروں کی مدد کرے گا۔

یونیفارم اور اقامت خانے

اس مقصد کو حاصل کرنے کے دوسرے وسائل کا ذکر کرتے ہوئے علی اکبر صاحب نے کہا کہ نہ صرف یورپ بلکہ مصر میں بھی ہر مدرسہ کا ایک یونیفارم ہوتا ہے ہندوستان میں جہاں عام طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے لباس میں فرق ہے طلبا کے لئے یونیفارم کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کے جن مدارس میں یونیفارم رائج کیا گیا ہے وہاں اس سے طلباء میں اتحاد اور اسکول اسپرٹ پیدا کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ ایک ہی مدرسہ میں تعلیم پانے کے ساتھ ہی اگر ہندو اور مسلمان لڑکے ایک ہی دارالاقامہ میں رہیں تو ان کو باہم دوست بننے کا اور بھی زیادہ موقع ملتا ہے۔ دارالاقامہ کی دوستی مدرسہ کی دوستی سے بھی زیادہ گہری اور پائیدار ہوتی ہے۔ اگر ہندو و مسلمان لڑکے ایک ہی دسترخوان پر کھانا نہ کھا سکیں تو کم از کم ان کو ایک ہی جگہ رکھکر ایک دوسرے کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دینا چاہئے۔

زبان کے اختلافات

اس کے بعد علی اکبر صاحب نے اس اہم مسئلہ پر بحث کی کہ زبان کے اختلافات کے باوجود ہندو اور مسلمان طلبا کو مشترک مدارس میں تعلیم دینا ممکن ہے۔ برطانوی ہند اور بعض دیسی ریاستوں میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے علحدہ علحدہ مدرسے قائم کئے گئے ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ فرقہ دارانہ مدارس بن جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں دینا ضروری ہے لیکن ہر زبان کے لحاظ سے علحدہ مدرسہ قائم کرنا ناگزیر نہیں ہے کیونکہ جس مقام پر دو زبانیں بولی جاتی ہیں وہاں ایک ہی مدرسہ میں متوازی جماعتیں آسانی سے قائم کی جا سکتی ہیں۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ابتدائی تعلیم کا انتظام اسی طریقہ پر کیا گیا ہے چنانچہ مرہٹواڑی کے مدارس تحتانیہ میں اردو اور مرہٹی، تلنگانہ کے مدارس میں اردو اور تلنگی اور کرناٹک کے مدارس میں اردو اور کنڑی کی جماعتیں ساتھ ساتھ قائم کی گئی ہیں۔ لڑکیوں کے لئے منزل اولی ثانوی کے اختتام یعنی جماعت ہشتم تک ذریعہ تعلیم مادری زبان ہے۔ سرکاری مدارس نسواں وسطانیہ اور فوقانیہ میں متوازی جماعتیں اسی طرح قائم کی گئی ہیں جس طرح لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس تحتانیہ میں قائم ہیں۔

مشترک زبان

علی اکبر صاحب نے ہندوستان کے لئے ایک مشترک زبان کی شدید ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک کی مشترک زبان اردو یا ہندوستانی ہی ہو سکتی ہے جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول سے جنم لیا۔ اردو یا ہندوستانی ممالک محروسہ میں عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ان طلبا کے لئے جن کی مادری زبان تلنگی، مرہٹی یا کنڑی ہے انگریزی کے مقابلہ میں جو ایک بالکل اجنبی زبان ہے بہت زیادہ آسان اور مانوس ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یگانگت پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی زبان سیکھیں۔ بلجیم میں دو زبانیں رائج ہیں فلیمش اور فرانسیسی لیکن ہر مدرسہ میں دونوں زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے چنانچہ طلبا ان میں سے ایک زبان میں تعلیم پاتے ہیں دوسری بطور زبان دوم لازمی طور سے پڑھتے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق ہندو طلبا اردو کو بطور زبان دوم پڑھتے ہیں اور جن کی مادری زبان اردو ہے ان کے لئے جدید نصاب کے لحاظ سے جماعت دوم سے مقامی ملکی زبان بطور زبان دوم پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے اس ضمن میں علی اکبر صاحب نے اس کا اظہار کیا کہ گذشتہ چار پانچ سال سے سررشتہ تعلیمات مسلسل اس امر کی کوشش کر رہا ہے کہ طبقہ تحتانیہ میں وہ لڑکے جن کی مادری زبان اردو ہے مقامی ملکی زبان زبان دوم کی حیثیت سے پڑھیں چنانچہ اس کوشش میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی اور عنقریب یہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے نظام تعلیم کی نمایاں خصوصیت ہو جائے گی۔

نصابی کتب

اس کے بعد علی اکبر صاحب نے تعلیم کے ذریعہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے دوسرے اہم امور کا ذکر کیا یعنی ترتیب نصاب اور نصابی کتابوں کا انتخاب، اساتذہ کا انتخاب اور والدین کا فرض۔ نصاب ایسا ہونا چاہئے جو مختلف فرقوں کی ضروریات کے مطابق ہو اور اس کے ساتھ ہی ان میں اتحاد اور باہمی اعتماد پیدا کرنے میں مدد دے اس طرح کتابوں بالخصوص تاریخ کی کتابوں کے انتخاب اور تیاری میں بھی احتیاط برتی جائے اور اس کا پورا لحاظ کیا جائے کہ درسی کتاب میں ایک جملہ بھی ایسا نہ ہو جس میں کسی مذہب یا فرقے یا اس کے پیرووں کی کسی قسم کی دل آزاری ہو۔ چنانچہ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی خاص طور سے اس اصول پر عمل کر رہا ہے اور جو درسی کتابیں سررشتہ کی نگرانی میں تیار کرائی گئی ہیں مثلاً تاریخ ہند کا تیار کردہ اردو کتابوں کا سلسلہ ان میں ایسے سبق شامل

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

کل ہند وفاق مسلم طلباء کا اجلاس

"ہم اپنے گھروں کی مدافعت کرنا چاہتے ہیں"

جالندھر ۱۳ نومبر۔ قائد اعظم مسٹر جناح ۹ بجے شام اسلامیہ کالج تشریف لائے جہاں آپ نے کالج کی افتتاحی رسم انجام دی۔ یہاں بھی ایک کثیر مجمع نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ یہاں ارباب کالج نے قائد اعظم کے اعزاز میں ایک عصرانہ ترتیب دیا تھا جس میں سرکردہ شہریوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مہمان تھے اس دوران میں ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک وفاق مسلم طلبا پنجاب اور کل ہند وفاق مسلم طلبہ کی مجلس موضوعات کے اجلاس رہے۔

رات کو ۹ بجے کل ہند وفاق مسلم طلبہ کے چھٹے سالانہ جلسہ کی پہلی نشست کا آغاز ہوا جلسہ گاہ سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ قائد اعظم کی آمد پر صدر استقبالیہ میاں بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا نے اراکین اور دوسرے سرکردگان کی معیت میں آپ کا استقبال کیا۔

اراکین مجلس استقبالیہ اور وفاق مسلم طلبہ پنجاب کی طرف سے قائد اعظم اور دیگر حاضرین کا خیر مقدم کرتے ہوئے صدر مجلس استقبالیہ میاں بشیر احمد صاحب نے اپنا خطبہ استقبالیہ سنایا۔ مسلم طلبہ کی بیداری کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا ہمارے نوجوانوں کا قومی کام کے میدان میں قدم رکھنا ہمارے قومی مستقبل کے لئے ایک فال نیک ہے کوئی قوم ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی جب تک اس کے نوجوان اس کی جد وجہد میں مصروف نہ ہوں۔ ہندوستان کے مسلمان اس وقت اپنی قومی زندگی کے ایک نہایت نازک اور خطرناک دور سے ہو کر گزر رہے ہیں۔ قوم کا شیرازہ جو زمانہ کی ترقی اور ہماری بے پروائی کے باعث بکھر چکا ہے اب پھر مجتمع ہو رہا ہے اور اس حیات تازہ کی تعمیر میں تازہ دم کارکنوں کی شدید ضرورت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس آڑے وقت میں قوم کی پکار پر ہزاروں نوجوانوں کی آوازیں لبیک کہتی ہوئی سنائی دیتی ہیں اور صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ قوم کے لئے کچھ کرنے کے واسطے بیتاب ہیں۔ اور ہر کاموں کی کمی نہیں ہمارے ان نوجوانوں کو وہ سینکڑوں کام کرنے ہیں جو ہماری غفلت کے باعث ابھی تک ادھورے پڑے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج جتنی زندہ قومیں رات دن کس دور میں مصروف ہیں ہماری ہمسایہ قوم بھی اپنی صدیوں کی نیند کے بعد اٹھی اور کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے اس حالت میں دیکھنا ہے کہ ہماری ضروریات کیا ہیں۔ ہماری کمیاں کون سی ہیں اور وہ کس طرح پوری ہوں گی۔

اس کے بعد میاں صاحب نے تاریخ ہند کے اسلامی عہد اور گزشتہ سو سال کی سیاسیات پر ایک سرسری اور عام نظر ڈالی اور بتایا کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی ترقی اور اتحاد کے لئے کیا کچھ کیا۔ لیکن ہمسایہ قوم نے اس کی کوئی قدر نہ کی۔ پھر کہا کہ بقول پنڈت نہرو "پہلے مسلمانوں میں ہندو نیشنلزم کا خیال پیدا ہوا اور اپنی جداگانہ قومیت کا خیال بعد میں ظاہر ہوا۔ مسلمان اس بارے میں ایک طویل عرصہ سے غافل رہے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر غازی کی وفات کے بعد تقریباً دو سو سال تک ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی"...... "حالت ایسی نازک اور فضا ایسی تاریک تھی کہ اسلامی ہند کے افق پر ایک بجلی چمکی اور ایک گرج سنائی دی۔ یہ تھی اسلام کی چمک اور یہ آواز محمد علی جناح کی آواز! آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ماہ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ جہاں لیگ نے مکمل آزادی کو اپنا نصب العین بنایا۔ یہ لیگ کے ایک نئے دور کی ابتدا تھی اور مسلمانان ہند کے لئے ایک نئی زندگی کی کوشش تھی۔ اب تک لیگ صرف سیاست دانوں اور اونچے طبقے والوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی اب جبکہ اس نے مسلمانوں کو اس سے آگاہ کیا کہ ہندوستان میں ان کی قومی ہستی خطرہ میں ہے تو چونکہ انہیں خود بھی کانگریسیت کا کافی تجربہ ہو چکا تھا، عوام ان میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لیگ کے اسلامی جھنڈے کے نیچے آ جمع ہوئے لیکن کانگریس اپنی کانگریس اپنی طاقت کے نشہ میں چور تھی۔ اس نے لیگ کے مطالبات کو ٹھکرا دیا اور مسلمانوں میں اپنی عوامی تحریک شروع کر دی۔

مقرر نے بتلایا کہ کس طرح کانگریس ہندو راج کے خواب دیکھ رہی تھی اور کس پہلو سے وہ اپنے مطلب کی "قومی حکومت" قائم کرنا چاہتی تھی۔ اس نے مذہب کو سیاست سے الگ بتلایا جو اسلامی تعلیم کے منافی تھا کیونکہ مسلم کا دین ہی اس کی دنیا ہے اور اس کی دنیا اس کا دین۔ اس سلسلہ میں صدر استقبالیہ نے ہندی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیا اور یہ واضح کیا کہ ملی عقائد، معاشرت، تہذیب، زبان اور رسم و رواج مسلمان ہندو میں ضم نہیں ہو سکتے۔ اپنی جگہ علیحدہ رہ کر بعض مشترکہ مقاصد کا ساتھ دے سکتا ہے۔ مسلم لیگ کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر بشیر نے کہا کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی آزادی، بلکہ ہند کی اور چھوٹی قوموں کی آزادی کی بھی حامی ہے۔ آپ نے سوال کیا کہ کیا اتحادی قومیں بھی آج اسی لئے یہ جنگ نہیں لڑ رہی ہیں کہ ہر قوم کی چھینی ہوئی آزادی بحال ہو جائے۔ نئی بننے والی، آنے والی دنیا میں ہر قوم کو اپنی جداگانہ تہذیب کے برقرار رکھنے کا پورا حق مل جانا چاہئے جس کے قیام کی ذمہ دار نوع انسان کی اعلیٰ قوت ہو یہی وہ راہ ہے جس سے ہوتے ہوئے دنیا عالمگیر برادری تک پہنچ سکتی ہے۔

صدر مجلس استقبالیہ کے خطبے کے بعد مسٹر جناح نے سامعین کو ہندوستانی میں مخاطب کیا۔ مسٹر جناح نے صوبائی حکومت خود اختیاری کے آغاز کے بعد سے کرپس کی گفت و شنید کے ختم ہونے تک لیگ کے موقف پر تبصرہ کیا اور کہا کہ بعض ہندو لیڈروں نے پاکستان کے بارے میں اپنے خیالات بدل لئے ہیں انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ خدا کرے کہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے لئے علیحدہ اسٹیٹ کا قیام ہو جائے۔

قائد اعظم نے کہا "ہندوستان کی مدافعت کے لئے ہم بھی اتنے ہی مستعد ہیں جتنا کہ کوئی اور۔ کیونکہ ہم بھی اپنے گھروں کی مدافعت کرنا چاہتے ہیں" انھوں نے اپنے اس مطالبہ کا اعادہ کیا کہ ایک اعلان کیا جائے جس میں مسلمانوں کو حق خود ارادیت کی ضمانت دی گئی ہو۔

مجلس بلدیہ جالندھر نے شہریوں کی طرف سے جو سپاسنامہ پیش کیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے مسٹر جناح نے زور دیا کہ انہیں برطانویوں کا ڈر ہے اور نہ ہندوؤں کا لیکن وہ ان مسلم حامیوں سے ڈرتے ہیں جو مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ انھوں نے پنجاب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ پنجاب نے جو ہندوستان کا مسلم بازو ہے کس طرح گزشتہ انتخابات میں ان سے سرد مہری کی لیکن اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ کے اجلاس کے موقع پر بنگال اور پنجاب کے وزرا چودھری [illegible] کی طرح ایک ہیرے اور پنجاب سے ۹۰ یا ۹۵ ارکان نے لیگ کے حلف نامہ پر دستخط ثبت کئے۔

کیا ہٹلر ترکی پر حملہ کرے گا؟
ترکی لڑے بغیر راستہ ہرگز نہیں دے گا

لندن ۱۳ نومبر۔ انقرہ کی خبر کے بموجب ترکی کے تمام سپاہیوں، ملاحوں اور ہوا بازوں کو اپنی یونٹوں میں فوراً پہنچ جانے کے احکام مل چکے ہیں۔ وزیر اعظم ترکیہ سراج اوغلو نے آج رات مجلس ملی کبیر میں تقریر کرتے ہوئے ایک [illegible] کیا جس کے بعد ہی ملتوی کر دیا گیا۔ سراج اوغلو نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ جوں جوں جنگ بڑھتی جاتی ہے متحارب اقوام [illegible] دانشمندی کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ وہ سیدھا راستہ اختیار نہیں کر رہے ہیں بلکہ اندھا دھند کام کر رہے ہیں جو اقوام منطقہ جنگ کے قریب ہیں ان کے لئے نا عاقبت اندیشی کی صورت میں تشویش پیدا ہو جائے گی اس لئے ہر ترک مرد کا فرض ہے کہ وہ اس چیز کو یاد رکھے کہ ہم کو بھی جدید خطرات سے دوچار ہونا ہے۔

برطانیہ اور امریکہ نے مقبوضہ افریقہ پر جو حملہ کیا ہے اس کی [illegible] کے پیش نظر تین اقدامات تھے۔ اول سپین کو جنگ میں لے آنا دوم۔ وشی فرانس پر قبضہ کرنا۔ سوم ترکی پر حملہ کرنا۔ ہٹلر نے وشی فرانس پر قبضہ کر لیا وہ باقی دو راستے بھی اختیار کرے گا۔

معلوم ہوا ہے کہ جنرل [illegible] کو معقول سیاسی اور جنگی وجوہ کی بنا پر [illegible] جنگ میں گھسیٹنے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ برطانیہ نے حال میں سپین کو جو یقین دلایا ہے وہ بیان واضح ہے۔ [illegible] اس وقت غیر جانبدار رہنے کی کوشش کرے گا۔

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

حیدرآباد میں آج سے ہر مقام پر عمل تاریکی شروع ہوگیا ہے۔ سڑکوں پر کے سرکاری برقی گولے بالکل غلاف پوش کر دئے گئے ہیں اور دوکانوں کے سائین بورڈ کی روشنی بند کر دی گئی۔ پولیس دوکانداروں کو ہدایت کر رہی تھی کہ دوکانوں کی اندرونی روشنی باہر نہ آنے پائے۔
(دکن نیوز)

ہمارا نامہ نگار جو چاندنی رات میں بلیک آوٹ کا تماشہ دیکھ رہا تھا اطلاع دیتا ہے کہ موٹروں کی روشنی پہلے سے زیادہ تیز معلوم ہو رہی تھی اور کسی نے موٹر رانوں سے روشنی دھیمی کرنے کی خواہش نہیں کی۔

مسلم قوم پرست .... کی نسبت یہ بحث بھی فضول ہے کہ کیا وہ مسلمان نہیں ہیں؟ ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہوں اور خدا کرے کہ وہ مسلمان ہوں۔ (ایک معاصر)

اس دعا میں ہم بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں لیکن یہ دعا قبول ہوتی نظر نہیں آتی کیونکہ قوم پرست افراد اس وقت تک مسلمان ہو نہیں سکتے جب تک کہ وہ ایک جماعت، ایک قائد اور ایک اخبار کا مسلک اختیار نہ کریں، جب تک انا الملک کا نعرہ نہ لگائیں، جب تک ایک طرف اصلاحات کی مخالفت اور دوسری طرف ہوس اقتدار کی تشفی کے لئے مقننہ اور دیگر مجالس کی نشستوں پر قبضہ جمانے کی کوشش نہ کریں، جب تک اپنے اثر و نفوذ کو قائم رکھنے کے لئے دوسرے مسلمانوں کی تکفیر نہ کریں، جب تک اسلام کا نام لے کر غیر اسلامی نظریات کی اشاعت نہ کریں، جب تک اپنے ذاتی مفاد کو ملت اسلامیہ کا مفاد ثابت نہ کریں، جب تک جدید مجالس کی پہلے مخالفت اور بعد کو دبی زبان سے تائید نہ کریں، غرضکہ جب تک سیاسی قلابازیاں نہ لگائیں وہ مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور تلخ حقیقت۔

ایک مرہٹی ہفتہ وار "دہا تورد ہاری" ہے جو بمبئی سے شائع ہوتا ہے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ:۔

"گزشتہ ہفتہ اکثر لیڈر جو قانون مدافعت حیدرآباد کے تحت حیدرآباد کے جیلوں میں بند کر دئے گئے تھے، رہا کر دئے گئے"

کیا مجلس کے دروازے پیروالوں کی وفات کی وجہ سے کھلے پڑے تھے؟

انسٹی ٹیوٹ آف انجنیرس کے سالانہ عشائیہ میں تقریر کرتے ہوئے سر محمد یعقوب نے فرمایا کہ:۔

"ان پہاڑوں میں مختلف قسم کا قیمتی اور کارآمد پتھر موجود ہے اگر معماروں کا دست کاریگری ان پر پڑے تو جوبلی ہل کی بے آب و گیاہ چٹانیں سونے کے ٹکڑے بن سکتی ہیں"

خیال تو بہت معقول ہے مگر ہماری دعا ہے کہ یہ بے آب و گیاہ پہاڑ پتھر کے پتھر ہی رہیں اگر یہ سونے میں تبدیل ہو گئے تو پھر یہ حیدرآبادیوں کی ملک نہیں رہ سکتے۔

اصلاحات کے اصل مقصد کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے جو واضح الفاظ میں یہ ہے کہ عوام سے ربط قائم کیا جائے۔ (ایک معاصر)

بالکل بجا مگر حکومت اور عوام کے درمیان لیڈر کیوں حائل ہو رہے ہیں؟ کیا اصل مقصد یہ ہے کہ حکومت عوام سے ربط قائم کرنے کے بجائے صرف لیڈروں سے ربط قائم رکھے؟

ڈاکٹر ورد راجلو نائیڈو نائب صدر کل ہند ہندو مہا سبھا کہتے ہیں کہ:۔

"میں اس گمراہ کن پروپگنڈے کی نسبت جو مسٹر راجگوپال چاری مسلم لیگ کے مخالف قومیت اور لغو مطالبات کے سامنے غیر مشروط طریقہ پر ہتھیار ڈالنے کی بنیاد پر نام نہاد قومی حکومت اور اس مجوزہ قومی کابینہ میں (۵۰) فی صد حصہ کے لئے کر رہے ہیں بطالوی صحافت اور حکومت کو سنجیدہ تنبیہ کرتا ہوں"۔

سنجیدگی تو اسی میں ہے کہ ڈاکٹر ورد راجلو کچھ کہنے سے پہلے اپنے حدود بھی سمجھ لیں۔

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا
ناز بھی کر تو بہ اندازۂ رعنائی کر

بمبئی کی پولیس نے ایک کانگریس ریڈیو کا پتہ چلایا ہے جو گزشتہ چند ہفتوں سے باقاعدہ طور پر پروگرام نشر کر رہا تھا۔ پولیس نے گرگام بیک روڈ پر ایک عمارت کی پانچویں منزل پر دھاوا کیا اور ایک ریڈیو ٹرانسمٹر اور دوسرے آلات ضبط کر لئے۔ کمرے میں مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پولیس افسروں نے دروازہ کھولنے پر مجبور کیا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی ٹرانسمٹر پر ضرب لگا رہے تھے۔ پولیس نے ان کو گرفتار کر لیا اور کئی ریکارڈ ضبط کر لئے جن سے کانگریس کا پروپگنڈا کیا جا رہا تھا۔
(اسوسی ایٹیڈ پریس)

ہماری اطلاع یہ ہے کہ سامی جنگ کو تیز تر کرنے کے لئے کانگریس نے اپنے مصارف سے ایک لاسلکی نشر گاہ قائم کی تھی اور اس نشر گاہ کے ذریعہ ہندوستانیوں کو سوختہ سامانی کے طریقے سکھا رہی تھی جو اس کے پروگرام کا پہلا جزو تھا کہ پولیس نے کانگریس کے ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ دول محور کو شکست دینے کے لئے کانگریس کا اشتراک عمل نہیں چاہتی ہم علاوہ اس کے بول رہے ہیں۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد خاں نے ایک عصرانہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"آج کل جامعہ علی گڈھ کی عام فضا میں ایک طرح کا عسکری جذبہ پیدا ہو گیا ہے اور اس کے تحت طلباء میں فوجی قسم کا ضبط و نظم پایا جاتا ہے حتی کہ جب مسٹر محمد علی جناح پچھلے ماہ علی گڈھ آئے تو انہوں نے تعریف کرتے ہوئے کہا کہ جامعہ علی گڈھ کے طلباء میں جو ضبط و نظم و سنجیدگی، متانت اور استقلال اب پاتے ہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا"

ڈاکٹر صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں کہ دنیا کی یہ قدیم رسم ہے کہ ہر مہمان اپنے میزبان کی تعریف کرتا ہے۔ جامعہ علی گڈھ کے نظم و نسق کے متعلق تو مسٹر جناح نے کچھ فرمایا اور نہ ہم رائے زنی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام ہم معاصر "پیام" کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ہر سال موازنہ کی اشاعت کے بعد اکثر لیڈران قوم اور سرمایہ دار حضرات اخباری بیان کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کیا کرتے تھے۔ سال حال جن حضرات نے اس روایت کو ترک کیا ان میں نواب بہادر احمد علاؤ الدین قابل ذکر ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔
(ایک معاصر)

کیا نواب بہادر پچھلے سالوں کے اخباری بیانات کو پیش نظر رکھ کر سال حال کے موازنہ پر کوئی تبصرہ فرمائیں گے؟

راجہ جی کو گاندھی جی سے ملنے کی ممانعت پر مختلف تاثرات

ڈاکٹر سبارائن

ڈاکٹر پی۔ سبارائن سابق کانگریسی وزیر نے اپنے ایک بیان میں مسٹر راجگوپال آچاریہ کو گاندھی جی سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ ملنے پر کہا کہ۔ میں امید کرتا ہوں کہ جیسا کہ مسٹر راجگوپال آچاریہ نے کہا ہے کہ یہ حکم حکومت ہند یا برطانوی حکومت کا آخری اقدام نہیں ہے اور یہ کہ ملک کے احساس کا اندازہ لگانے کے بعد یہ حکومتیں اپنے فیصلہ کو بدل دیں گی اور مسٹر راجگوپال آچاریہ کو گاندھی جی سے ملنے کی اجازت دیں گی۔ اس لئے کہ صرف اسی طرح کوئی ایسی صورت پیدا ہو سکتی ہے جس سے تعطل کو رفع کیا جا سکے۔

سر تیج بہادر سپرو

سر تیج بہادر سپرو نے اخبار ہند اور بین خبر نگار کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ مجھے اس بات کا نہایت افسوس ہے کہ مسٹر راجگوپال آچاریہ کو گاندھی جی سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ سر تیج نے کہا کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ مسٹر راجگوپال آچاریہ کی تعریف بیان کی جائے اور مجبوریاں جو راستہ وہ پیدا کریں اور اس کو بھی وہ روک دیں۔ ان کی کوشش میں کوئی شخص بھی نتائج کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ لیکن اس تعطل کو ختم کرنے کی اور ان لوگوں کو راہ پر لانے کی یہ کوشش جنہوں نے مایوس ہو کر ایک ایسا اقدام کیا جس کو مجھ جیسے لوگوں نے جن کا کوئی تعلق کانگریس سے نہیں پسند نہیں کیا اس قابل تھی کہ اس کی ہمت افزائی کی جاتی۔

مسٹر راجگوپال آچاریہ کی نیت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ان کی نیت نیک اور بطور ایک ثالث کے ان کی قابلیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا گورنر جنرل خود بذات اس فیصلے کے ذمہ دار ہیں یا انہوں نے بعد کو اپنی کونسل سے اس فیصلہ کی توثیق کرائی ہے۔ لیکن جو کوئی بھی ذمہ دار ہو میں امید کرتا ہوں کہ اس کے فیصلہ کی کوئی تائید انگلستان کے ان حلقوں میں نہ ہو گی جو بہت فکرمند ہیں کہ موجودہ تعطل کسی طرح ختم ہو جائے۔ مسٹر راجگوپال آچاریہ کو مسٹر جناح یا گاندھی جی سے گفتگو کرنے کامیابی ہوتی یا نہ ہوتی لیکن کیوں کوئی شخص برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان یا ہندوستانیوں کی مختلف جماعتوں کے درمیان اس اتحاد کی کوشش کو کیوں روکے جو اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہ عمل اس امید کے برلانے میں معاون نہ ہوگا جو ایک وسیع تر مفاہمت کے متعلق خود ملک معظم نے ظاہر فرمائی تھی۔ میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے یہ کہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہندوستان کے مسئلہ کا حل اب اس امر پر منحصر ہے کہ کچھ نئے لوگ اس کام کو کریں یا ممکن ہے کہ اس تقاضہ کو پورا کرنے کا فعل اپنے وقار کے خیال کا شکار ہو جائے گا۔ سرکاری کارروائی کرنے میں کبھی جلدی نہ ہوگی اس لئے کہ اس کی زیادہ پرواہ نہ ہوگی۔ آج [illegible] مستقل امن و امان قائم کرنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ محض سرکاری کارروائیوں سے یہ مقصد تو حاصل ہو سکتا ہے

لیکن پیٹریاٹی [illegible] ایک سیاسی مسئلہ ہے اور سیاسی اعتماد دوسرے [illegible] جب ہی پیدا ہو سکتا ہے جبکہ صحیح تدابیر اختیار کی جائیں۔

سر چمن لال سیتلواڈ

مسٹر راجگوپال آچاریہ کو گاندھی جی سے ملنے کی اجازت دینے سے جو انکار کیا گیا ہے کم سے کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ انتہائی بدبختی ہے۔ سر چمن لال سیتلواڈ نے اپنے ایک بیان میں یہ رائے ظاہر کی۔

وہ کہتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ اس حقیقت کو نظر انداز کیا جاتا کہ اگر مسٹر راجگوپال آچاریہ گاندھی جی کو مجبور کی کسی اسکیم پر رضامند کر لیتے تو اس کے معنی یہ تھے کہ کانگریس اپنی انقلابی تحریک کو ترک کر دیتی۔ انہوں نے کہا کہ کانگریسی لیڈروں کی نظربندی کی ذمہ داری تنہا وائسرائے کی نہیں ہے بلکہ گورنر جنرل با اجلاس کونسل پر ہے۔ بہت سے ممبروں نے صاف طور پر کہا ہے کہ انہوں نے کانگریسی لیڈروں کی نظربندی پر اپنی رضامندی ظاہر کی تھی۔ لہذا ہندوستانی ممبروں سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا انہوں نے مسٹر راجگوپال آچاریہ کو گاندھی جی سے ملاقات کرنے کی اجازت دینے کی سفارش کی تھی یا اس سے موافق اپنی رائے ظاہر کی تھی یا یہ بات صحیح ہے جو سر محمد عثمان نے کہی ہے کہ ہندوستانی ممبر صرف اسی صورت میں مشورہ دیتے ہیں جب کہ ان سے مشورہ مانگا جاتا ہے۔

سر پرشوتم داس

اپنے مخالفوں کا پہنچایا ہوا نقصان مجھے گوارا ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی غیر مجھے نقصان پہنچائے۔ ان الفاظ میں سر پرشوتم داس ٹھاکر داس نے اس اجتماع کو خطاب کیا جو ہندو مسلم عیسائی اور پارسیوں پر مشتمل تھا۔ جو نئی تشکیل دادہ جماعت اتحاد ہند کی دعوت پر جمع ہوا تھا۔ یہ بیان کیا گیا کہ ایک وقت تھا جب مسٹر محمد علی جناح ایک صادق محب وطن اور برطانیہ کے مخالف تھے مگر اب وہ ایک معمہ بن گئے ہیں۔ مسٹر صابر علی نے اس نئی جماعت کے اغراض و مقاصد کو بتلایا اور فرقہ وارانہ تفریقات کو حل کرنے کے لئے اس کا کیا طریقہ کار ہوگا اس کو بیان کیا۔ مسٹر اے آر بیگ شریف نے بھی تقریر کی اور آپ نے کہا کہ یہ جماعت وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرے گی۔ مسٹر بالا صاحب [illegible] کو خیال تھا کہ صرف مجموعہ کی ضرورت ہے اور مجموعہ برطانیہ کے مداخلت کے بغیر ہونا چاہئے۔ مسٹر عثمان سوبھانی نے اس جلسہ کو یقین دلایا کہ قائد اعظم محمد علی جناح آج بھی وہی ہیں جیسے ۱۹۱۶ء میں تھے۔ ہندو مسلم آپس میں جو موجودہ اختلافات کوئی ایسے اہم نہیں ہیں کہ جن کا کوئی حل ہی نہیں مل سکے۔ ایک یا زیادہ قوموں کے نظریہ سے ہند باہمی اتفاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مقررین نے تقریریں کیں جن میں مسٹر واڈیا، بیگم اسلام اور ڈین یم جوشی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مسٹر منشی

بمبئی۔ مسٹر کے ایم منشی نے وائسرائے کے مسٹر راجگوپال آچاریہ کو گاندھی جی سے ملنے کی اجازت نہ دینے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ حکومت ہند کے اس انکار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقار کو قائم رکھنا موجودہ تعطل کے حل کرنے سے زیادہ ضروری سمجھتی ہے۔

مسٹر کے منشی نے کہا کہ ابھی کوئی توقع بھی وائسرائے سے نہیں رکھتے کہ کسی ایسے تصفیہ میں انہیں اپنی سلطنت کی شکست ہونے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے جس کے لئے وہ لڑ رہے ہیں۔

سررشتہ تعلیم صنعت و حرفت

سررشتہ تعلیم صنعت و حرفت سرکار عالی کی سالانہ رپورٹ بابتہ ۱۳۵۱ف میں درج ہے کہ گو جنگ کے باعث حکومت کے مالی وسائل پر غیر معمولی بار روز افزوں بڑھتا گیا۔ مگر اس کے باوجود تعمیری و دوسری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ صنعتی اور پیشہ وارانہ تعلیم کی ترقی و توسیع کا کام بھی جاری رہا۔ چنانچہ سال زیر رپورٹ میں نہ صرف بلدہ حیدرآباد میں ایک مرکزی مدرسہ فنون لطیفہ و دستکاری کا قیام عمل میں آیا بلکہ صنعتی تعلیم کی توسیع کے لئے سالانہ پانچ لاکھ اور غیر سالانہ ۵ لاکھ روپیوں کی رقمیں منظور ہوئیں۔

مرکزی مدرسہ فنون لطیفہ و دستکاری میں تعلیم کا آغاز ماہ فروردی ۱۳۵۱ف سے ہوا اور اس کی ابتدا دو شعبوں کے قیام سے کی گئی۔ ایک شعبہ فنون لطیفہ اور دوسرا شعبہ دستکاری۔ شعبہ فنون لطیفہ میں ڈرائنگ اور پینٹنگ [illegible] وغیرہ کے فنون لطیفہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور شعبہ دستکاری میں جو تعلیم دی گئی وہ بید بافی اور اسی قسم کی [illegible] کے ہنروں کی تیاری اور کندہ کاری اور [illegible] کے کاموں سے متعلق تھی۔ ختم سال پر مدرسہ کے زیر تعلیم طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۰۴ تھی۔ اورنگ آباد، نظام آباد اور گلبرگہ شریف کے صنعتی مدارس دن بدن زیادہ مقبول ہوتے گئے۔ ان مدارس کے طلبہ کی مجموعی تعداد (۱۰۴۳) تھی۔ بلدہ حیدرآباد کے مدرسہ صنعت و حرفت نسواں کی تنظیم جدید عمل میں آئی۔ سال زیر رپورٹ میں اس مدرسہ میں یہ انتظام کیا گیا کہ وقت واحد میں ۳۰۰ طالبات تعلیم پا سکیں۔

جالنہ، بیڑ، کریم نگر، نرمل اور رائچور میں صنعتی مدارس قائم کرنے سے متعلق ایک مکمل اسکیم سال زیر رپورٹ میں تیار کر کے حکومت کے ملاحظے میں پیش کی گئی۔ اسکیم کا مقصد یہ بھی ہے کہ اورنگ آباد اور نظام آباد میں زنانہ مدارس اور اورنگ آباد، گلبرگہ شریف، ورنگل اور حیدرآباد میں صنعتی مدارس نسواں کھولے جائیں۔

فاشزم کی حقیقت

از
ڈاکٹر بول چند ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی (لندن)

جب کبھی موجودہ فاشستی ریاست کی ماہیت کے متعلق جب بھی تحقیق کی جائے تو اس نظریہ اور تنظیم کا مطالعہ کرنا چاہیے جس پر اطالیہ کی فاشستی اور جرمنی کی نازی ریاست قائم ہے اس لئے کہ ان دونوں ریاستوں کی اصلی بنیاد ایک ہی نظریہ ہے۔

یہ بتانا کہ فاشستی مسلک کیا ہے بہت دشوار ہے اس کے مقاصد کی صحیح حد بندی نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ اس مسلک نے یقینی اور قطعی طور پر اصول اور عقائد کے کسی مخصوص مجموعے لائحہ عمل یا تنظیم ادارت کی صورت اختیار نہیں کی۔ اطالیہ اور جرمنی کی حکومتیں بڑی حد تک ایک تجربی اور وقتی بدلتی حالت میں ہیں۔ تاہم اس تغیر پذیر صورت حال کی تہ میں ایک مستقل اور مستقیم رویہ بھی موجود ہے۔ جس سے ہمیں فاشستی ریاست کا ایک خاکہ تیار کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

فاشستی عقیدہ میں خاص زور تمام تر فرد اور ریاست کے باہمی تعلق پر دیا جاتا ہے جو ایک نئی بات ہے۔ ایک مرتبہ مسولینی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ فاشزم کیا ہے؟ کہا: "اس زمانہ میں فاشزم ایک انجمنی تحریک ہے جو قوم کی تمام بازو اور قوتوں کو اپنے قانون اور خیالات کا مطیع بنا کر اپنے ساتھ لے لیتی ہے۔ یہ ایک سیاسی تحریک ہے جس کے حامی اور پیرو لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور اپنے سیاسی عقیدہ کے پکے اور سخت فرض شناس ہیں۔ یہ ایک فوجی تحریک ہے جس میں ایسے سیاہ پوشوں کا ایک کثیر لشکر شامل ہے جن کے دلوں میں وطن کی پرستش ایک مذہبی جذبہ کی مانند موجزن ہے صحیح معنوں میں فاشستی وہ ہے جو خاموش، جفاکش اور اطاعت شعار ہو۔ ہر فاشستی سے یہ عہد لیا جاتا ہے: "میں خدا اور اطالیہ کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ بلا چون و چرا ڈیوچے (قائد) کے احکام کی تعمیل کروں گا اور فاشستی انقلاب کی تحریک میں اپنی تمام قوت کے ساتھ شرکت کروں گا اور ضرورت پڑنے پر اپنی جان بھی قربان کر دوں گا" اس میں اختلاف کے لئے کوئی پہلو نہیں چھوڑا گیا۔

فاشستی عقیدہ میں فرد ریاست کا بالکل محکوم ہے۔ اس عقیدے کے مطابق ریاست مختار کل ہے جو شہریوں کے انفرادی عمل اور ذاتی مفاد کو قوم کے مفاد کا تابع رکھتی ہے فرد کو یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ وہ علیحدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ازروئے اقتضا اور ازروئے فطرت جماعت کا ایک رکن ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو عام قومی مفاد سے ملا دے۔ ریاست کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سماج کے نظام کو اس طرح ترتیب دے کہ انفرادی مفاد کے حصول کی کوشش جہاں تک ممکن ہو سکے عام قومی مفاد کے مطابق رہے۔ اس طرح انفرادی آسودہ حالی کی ترقی کو بالا سطح ریاست کا مقصد سمجھا جاتا ہے لیکن کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی آسودہ حالی حاصل کرنے کی اس طرح کوشش کرے کہ وہ مفاد عامہ کے مخالف اور منافی ہو اس لئے اگر فاشستی اصول قبول کر لیا جائے تو عام جماعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ایک مختار کل استبدادی ڈکٹیٹرشپ (آمریت) کا قیام لازم آتا ہے جو خود مختارانہ فیصلہ کن اقدام عمل کے ذریعہ اپنے سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جس کی بنیاد مجلس مقننہ کی قوت پر نہیں بلکہ درحقیقت جماعت غالب کے اقتدار پر ہو۔

فاشزم کی اصل

فاشزم کوئی بالکل نیا مسلک نہیں ہے۔ مختلف زمانوں میں اس کے داعی ہوتے رہے ہیں مثلاً میکیاولی جس کا اصول تھا کہ قہر و غلبہ رکھنے والا آدمی ہی مطلق العنان حاکم ہونا چاہیے نٹشے کا عقیدہ تھا کہ قوت اور تسلط رکھنے والی ہستیاں ہی تاریخ بناتی ہیں۔ کارلائل کا قول تھا کہ عوام کو رہنمائی کے لئے ایک قائد کی ضرورت ہے جو ان کے نزدیک قابل مدح ہوتے قوت و طاقت کو خود ایک مقصد سمجھتے ہوئے اس کا داعی تھا۔

اصولاً بھی فاشزم کا مقصد ان معاشرتی اور سیاسی اصولوں کی تجدید کرنا ہے جو انفرادیت کی کامیابی سے پہلے (جو نشاۃ ثانیہ کے فلسفیانہ تفکر کا نتیجہ ہے) مغربی دنیا میں کارفرما تھے۔ یہ قدیم اصول اصلاً دو بتلائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان مدنی الطبع ہے اور سماجی زندگی اس کی فطری حالت ہے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ حکومت ہی ایک ایسا عنصر ہے جو مستقل طور پر سماج کی شیرازہ بندی کر سکتا ہے۔ لہذا ریاست کے متعلق صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس کی تنظیم حکومت پر مبنی ہو۔ فاشستی بیان کے مطابق نشاۃ ثانیہ نے ان اصولوں کو مٹا کر انسان کو انفرادیت پسند اور تمام کائنات کا مرکز بنا دیا۔ ریفارمیشن یعنی تجدید مسیحیت کے اصلاحی انقلاب نے ہر فرد کو خدا داد فیضان حاصل کر سکنے کا یقین دلا دیا۔ اس کے بعد انقلاب فرانس نے آ کر تمام افراد کی مساوات کا اعلان کر دیا اور ان تمام تحریکوں نے قدیم پیشہ ور انجمنوں کو مٹانے میں مدد دی اور اہل حرفہ کی جماعتوں کی تشکیل نہ ہونے دی۔ ان تحریکوں نے افراد اور ریاست کے درمیان متوسط تنظیمات کی ضرورت تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

ان خیالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیابتی حکومت وجود میں آگئی جس کی بنیاد افراد کے حق رائے دہندگی اور اس عقیدہ پر تھی کہ ریاست کا کاروبار افراد کی جماعتوں کے درمیان مسلسل مفاہمت اور مصالحت سے انجام پا سکتا ہے۔ ان میں سے ہر فرد کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ اسے اپنی مرضی کے مطابق آزادانہ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا فطری حق حاصل ہے۔ اس تخیل کا خلاصہ یہ تھا کہ فرد کو محض اپنی ذاتی خواہشوں کے متعلق اپنی فلاح و بہبود کا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سبب سے سماج کا شیرازہ بکھرنے لگا اور جماعتوں میں خوفناک باہمی تصادم شروع ہوا اور قوت تنظیم میں کمزوری رونما ہو گئی۔ بیشتر کی مغربی طاقتیں مثلاً انگلستان، فرانس اور امریکہ ان حالات کے باوجود اپنی قوت کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئیں دوسرے اسباب پر مبنی ہے مثلاً صنعت و حرفت کے میدان میں ان کی سبقت اور استحکام، پیداوار کے وسیع علاقوں پر ان کا قبضہ۔ لیکن نیابتی اور پارلیمنٹی ادارے ان ملکوں کو جو دولت اور شہنشاہیت کے میدان میں کسی قدر دیر میں داخل ہوئے ہیں کوئی عملی امداد نہیں دے سکے بلکہ برخلاف اس کے وہ ان کی ترقی میں سد راہ ثابت ہوئے۔ اس لئے فاشستی عقیدہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ ریاست کو وہ قدیم حیثیت اجتماعی اور استحکام پھر حاصل ہو جائے جسے آزادانہ طرز عمل نے رفتہ رفتہ مٹا دیا تھا۔

اگر اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو فاشزم کوئی وقتی اختراع نہیں ہے بلکہ ایک طرز خیال ہے جو ایک نظام یا سلسلہ کو اس مقصد کی روشنی میں جس کے لئے وہ وجود میں آیا ہے جانچنے کا ایک حقیقی طریقہ ہے۔ جس کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ تمام نظام مجموعی حیثیت سے اپنے مقصد کی طرف حرکت کرتا ہے یہ نہیں کہ اس کے اجزاء اپنے اپنے مفاد کے لئے عمل کرتے ہوں۔ یہ نظریہ حقیقتاً حقیقی نظریہ ہے اور یورپ کے فلسفیانہ تفکر کے ارتقاء میں اس کے وجود کا اکثر ثبوت ملتا ہے۔ صنعت و حرفت کی اشتراکی تنظیم کی تحریک ایک معنی میں فاشستی ہے۔

بعض ممالک میں یہ کیفیت بہ نسبت دوسرے ممالک کے زیادہ نمایاں ہے۔ ایک حد تک تاریخی اسباب کی بنا پر مثلاً قریبی زمانہ تک بعض رسمی استبداد کے رواج کے باعث اور ایک حد تک اس بنا پر کہ لوگوں کے دماغ کی نفسیاتی ساخت ایک خاص طرح کی تھی مشرقی یورپ کی نام نہاد پست اقوام میں جہاں حکومت خود اختیاری اور پارلیمنٹی آئین کی روایات محدود ہی ہیں یہ طرز خیال زیادہ مقبول سمجھا گیا ہے۔ اس مقام پر مسٹر ای۔ گرنٹ کے بیان سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ اگر یورپ میں جنگ نہ ہوتی اور کوئی بالشویکی انقلاب نہ ہوا ہوتا تو بھی فاشستی تحریک جلد یا دیر میں اطالیہ میں پیدا ہوتی مگر یہ ضرور ہے کہ کم مقبول، کم ہنگامہ خیز اور کم تباہ کن ہوتی اس لئے کہ اسے مخالف خیالات سے جنگ نہ کرنی پڑتی۔

جنگ عظیم نے حقائق کو ظاہر کر دیا اور جمہوریت پسند طرز حکومت کی ناکامیابی اور دنیا کی حقیقی حالت کا یوں اظہار ہوا گویا وہ اقتصادی شہنشاہیت اور محارب قومیت کے قبضہ اور بربریت کار عناصر کا مجموعہ ہے۔ یہ تمام باتیں اس کا باعث ہوئیں کہ رائے عامہ ایک طاقتور حاکم کی حمایت کرنے لگی جو قوموں کو اقتصادی تباہی سے بچانے اور شکست خوردہ ملکوں کی تخفیف اور آسودہ حالی کی شاہراہ پر رہنمائی کرنے کے قابل ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فاشستی عقیدہ یورپ میں ایک زبردست عملی قوت بن کر دفعتاً نمودار ہو گیا۔

فاشزم پر اعتراضات اور تنقید

فاشستی ریاست کے اصول اور تنظیم پر بعض خاص اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلا اور سخت اعتراض جو فاشزم پر کیا جا سکتا ہے وہ مطلق العنان قیادت کے اصول پر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پارلیمنٹی ملکوں مثلاً انگلستان اور فرانس میں بھی اس زمانہ میں ایک نمایاں رجحان اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ قوت و اختیار تمام تر ایک فرد واحد یا حکومت کی مختصر چند ممبری جماعت کے قبضہ میں آ جائے لیکن فاشزم جس قیادت کا حامی ہے وہ اپنی ماہیت میں اس سے بالکل مختلف ہے اس لئے کہ یہ ایک مختلف نظریہ کا نتیجہ ہے۔ پارلیمنٹی ملکوں میں یہ حالت جب پیدا ہوتی ہے تو اس سطح پر ہوتی ہے کہ قوت و اختیار کا آخری ماخذ خود قوم ہے لیکن قیادت کے فاشستی اصول کے مطابق افراد حکومت کے قابل نہیں اور صرف محکوم ہو کر رہ سکتے ہیں۔ فاشستی عقیدہ کے مطابق مرکزی تسلط سماج کی ایک لازمی حالت ہے اور اس لئے قائد کے احکام کی جو قوت و اختیار کا مطلق مالک ہے فوری اور بے چون و چرا اطاعت تمام فاشستیوں کے فریضۂ زندگی کا لازمی جزو ہے۔ اس بنا پر فاشستی عقیدہ نے قائد کی قوت و اختیار کو صرف ایک ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ ایک مقصد کے درجہ تک بلند کر دیا ہے۔ فاشستی کے نزدیک اس قوت و اختیار کا ماخذ جماعت نہیں ہے اور اس لئے جماعت کو اس کے برطرف کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔

گزشتہ زمانہ میں بھی اکثر مطلق العنان شخصی حکومتیں یا استبدادی ڈکٹیٹرشپ قائم ہوئی ہے۔ اول اول یہ مطلق العنان حکومتیں مذہبی بنیاد پر قائم ہوتی تھیں۔ یعنی اس عقیدہ کی بنا پر کہ دنیوی فرمانروا کو حکومت کا حق خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ ... کے زمانہ سے جب کہ ... مطلق العنان فرمانروائی کے اصول کی تعلیم دی اس قسم کی حکومتوں نے مذہبی نہیں بلکہ دنیوی حیثیت حاصل کر لی لیکن یہ حکومتیں ہمیشہ تغیر و تبدل کے زمانہ میں قائم ہوئیں اور بے انتشار کے دنوں میں وجود میں آئیں جب کہ گزشتہ حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا ہو یا وہ کمزور ہو گئی ہوں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اس قسم کی حکومتیں کسی ملک میں بھی مستقل طور پر قائم نہیں رہ سکی ہیں۔ ان قدیم استبدادی حکومتوں اور موجودہ فاشستی اور نازی قیادت کے درمیان بہت کم فرق ہے۔ فاشستیوں نے بہت بڑھا چڑھا کر دکھانے کی کوشش کی ہے لیکن جو درحقیقت فرق ہے وہ عمل کا فرق ہے۔ بعض رسال مستبد فرمانرواؤں کی دور وقتی ڈکٹیٹرشپ آمریت میں خود ریاست ہوں کے اصول پر مبنی تھی۔ اس دور کی ڈکٹیٹرشپ کی بنا ریاست کی خدمت کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ اس فرق کا سبب بڑی حد تک موجودہ زندگی کی پیچیدگی اور موجودہ حکومت کی نوعیت ہے لیکن بہرحال اس فرق کی بنا پر استبدادی فرمانروائی پر جو اعتراضات ہیں وہ گزشتہ زمانہ کی ... استبدادیت کی بہ نسبت موجودہ دور کی آمریت پر زیادہ قوت سے وارد ہوتے ہیں۔

۴۔ پہلا اعتراض فاشستی آمریت پر یہ ہے کہ صدر قیادت کے بعد اس سلسلہ کو اس عمدگی اور کامیابی سے جاری رکھنا بہت مشکل ہے تاوقتیکہ جانشین مقرر کرنے کے لئے کوئی کامیاب طریقہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ پیدائشی جانشینی کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ضعیف العقل ... قیادت کا مالک بن جائے ... کے ذریعہ جانشینی کا نتیجہ مسلسل تصادم ہوگا اور اس صورت میں زیادہ امکان یہ ہے کہ ایک شورہ پشت مقرر یا بازاری لیڈر موقع پا کر قائد بن بیٹھے۔

ب۔ غرض کسی حالت میں اس دماغی الجھن سے بچاؤ کی صورت یا پھر اس اطمینان قلب کو حاصل ہونا جس کو قائم کرنے کا آمریت دعوی کرتی ہے یقینی نہیں۔ فاشزم کی حمایت میں ایک دلیل یہ ہے کہ وہ معمولی دماغ کے فرد کو اس الجھن میں پڑنے سے بچاتا ہے کہ مختلف سیاسی فریقوں اور مسلکوں میں کس کی طرفداری کرے اور یہ دائمی کشاکش جمہوری نظام کا لازمہ ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بابرکت اطمینان و فراغ مستقل نہیں ہو سکتا۔ جوں ہی قیادت کا جادو ختم ہوتا ہے اور اس کے وعدے پورے ہوتے نظر نہیں آتے بلکہ ناقابل ایفا معلوم ہوتے ہیں تو فیصلہ کی ذمہ داری دوبارہ فرد کی گردن پر پڑتی ہے۔

ج۔ دوسرا زبردست اعتراض فاشزم پر یہ ہے کہ ممکن ہے ڈکٹیٹر (آمر) غلط اور غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرے۔ گزشتہ دس سال میں اطالیہ کی فاشستی آمریت اور گزشتہ چند سال میں جرمنی کی نازی آمریت کی تاریخ اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ بہرحال لارڈ ایکٹن کا مشہور قول کچھ نہ کچھ صداقت ضرور رکھتا ہے کہ ہر طاقت بدعمل ہو جاتی ہے اور پورے طور پر آزاد طاقت پورے طور پر بدعملی کا باعث ہوتی ہے۔ ہٹلر کی سامیت دشمنی کو طریق عمل اور نسل کی پاکیزگی کو اصول، ڈکٹیٹر کا ذاتی وہم نہیں تو کیا ہے۔

د۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی امر اس قدر مافوق البشر شخصیت نہیں ہو سکتا جتنا کہ فاشستی عقیدہ اسے فرض کرتا ہے۔ فاشزم قائد کے احکام کی بلا تامل اور بے چون و چرا تعمیل کرنے کی تعلیم دیتا ہے جس کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ ڈیوچی یا فیوہرر حقیقتاً سب انسانوں سے زیادہ ایسی قوتوں کا مالک ہے جن کے ذریعہ سے وہ قوم کے بہترین مفاد کو طے کر سکتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے اور کسی خاص جماعت یا طبقہ کے مفاد کے بجائے مفاد عامہ کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ڈکٹیٹروں کا جو اپنی جماعت یا طبقہ کی جانبداری اور حمایت سے بالاتر ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں یکے بعد دیگرے مسلسل پیدا ہونا اگر بالکل ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ضرور ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فاشستی ریاست کا حقیقی طرز حکومت فاشستی عقیدہ کی کمزوری ظاہر کرتا ہے۔ جرمنی اور اطالیہ دونوں ملکوں میں حکومت کرنے والی جماعت بڑے بڑے سرمایہ داروں پر مشتمل ہے اور ان کے زیر ہدایت عمل کرتی ہے۔ درحقیقت فاشستی مختار کل ریاست سرمایہ داروں کی ڈکٹیٹرشپ بن گئی ہے۔ اس بات کو تقویت کہ یہ صورت حال اس نظام کے عمل درآمد کا نتیجہ ہے اور فاشستی اصول سے اسے کوئی تعلق نہیں اس حقیقت سے ملتی ہے کہ فاشستی ریاست نے عام متوسط طبقہ کے مفاد کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ صنعت و حرفت کے بڑے بڑے مالکوں اور باقی افراد کے درمیان امتیاز برتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کے پاس بہ نسبت چھوٹے سرمایہ داروں کے حکومت کے حکام پر اثر ڈالنے کے لئے بہتر موقعے اور وسیع تر ذرائع موجود ہیں۔ تاہم یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ فاشزم ترقی کرکے آج ایک قسم کی اجارہ دار سرمایہ داری بن گیا ہے۔ مزدور اور سرمایہ داری کے درمیان صحیح توازن کے متعلق فاشزم کا ساحرانہ تصور سرمایہ داروں کے ... رد عمل اور تخیل سے قریبی طور پر مربوط رہا ہے۔ ریاست کی حیثیت اجتماعیہ کا فاشستی اصول جس کی بنیاد تمام معاشی جماعتوں کے مساویانہ انضباط پر ہے عملاً سرمایہ داروں کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔ مزدوروں کی انجمنوں کے منتخبہ اعدان کی تنظیم کو منسوخ قرار دینے کے ساتھ ساتھ ملکیت ذرائع پیداوار اور اس کی تقسیم پر وہ تصرف نہیں رکھا جس کے ذریعہ پیدائش کے ذرائع کے مالک فیصلہ کی آزادی اور منافع سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ساہوکاروں، کارخانہ داروں اور زمینداروں دولتمندوں کی برابری معاشی و معاشرتی حیثیت قائم ہے لیکن مزدور طبقہ کو پورے طور سے مغلوب کر دیا گیا ہے۔

سرمایہ داری کا خاتمہ ہونا اور مستقل اقتدار آمریت پسند جمہوریت کی ایک امتیازی خصوصیت ہے لیکن وہاں کہ اگر دونوں طرف عمل کی آزادی ہے ایک حریت پسندانہ جمہوری ریاست میں مزدور یا متوسط طبقہ اگر اپنی سیاسی قوت عمل کو استعمال کر سکتا ہے۔ ان کے ووٹ کی کچھ نہ کچھ طاقت ضرور ہے۔ جب ان کے باہمی مفاد ایک ہی ہوں تو وہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔ ایک خود پرست چندسری مختار کل ریاست میں جہاں ووٹ کا کوئی وجود اور کوئی وقعت نہیں، سرمایہ داروں کے زبردست اثر کا مقابلہ کرنے کے لئے اس طرح کے طریقے موجود نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فاشزم نے محض یہ ممکن کر دیا ہے کہ سرمایہ دار طبقہ جب ایک دفعہ اقتدار حاصل کر لیتا ہے تو اس کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اپنے اس اقتدار کے ذریعہ جو اسے حکومت کے منصب اور اس پر حاصل ہے اپنے حقوق مستقل طور پر قائم کرے۔

فاشستی فلسفہ پر ایک تیسرا اعتراض اور ہے جس کا فاشزم کے پاس کوئی جواب نہیں اور وہ یہ ہے کہ فاشستی عقیدہ ملکی نظم کے ایک اصول کی حیثیت سے بالکل بے نتیجہ اور غیر فیصلہ کن ہے۔ یہ کوئی خاص مقصد یا غایت ظاہر نہیں کرتا۔ فاشستی استدلال میں ایک عجیب چکر ہے جس کے باہر نہیں نکل سکتے۔ فاشستی نظریہ کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ قومی زندگی کے مختلف عناصر میں اتحاد و اتفاق اور انضمام پیدا ہو لیکن اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر اس انضمام اور اتحاد کی غرض کیا ہے؟ جواب یہ ملتا ہے کہ اس کا مقصد قومی طاقت ہے لیکن پھر اس قومی طاقت کا کیا مقصد ہے؟ اور اس اتحاد اور طاقت کے علاوہ مسلک فاشستی میں انفرادی آسودہ حالی کے کسی دوسرے تصور کی گنجائش ہی نہیں۔

فاشستی اپنے فلسفہ کے نقص کو یہ کہہ کر دور کرنا چاہتے ہیں کہ فرد کی شخصیت کو بہترین طور پر ریاست ہی کے وجود کی بدولت قائم رکھ سکتا ہے اور ریاست کے باہر اس کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ریاست کو جس قدر اقتدار حاصل ہوگا اسی قدر فرد کو ... یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ نظریہ بہ وجوہ بالکل لغو ہے۔ قومی عظمت پر فخر کا جذبہ بے شک فرد کی نشوونما کا ایک اہم جزو ہے لیکن صرف یہی سب کچھ نہیں ہے۔ یہ بات قطعاً سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ ایک غریب فاقہ کش مزدور جو معاوضہ ... کی آزادی کا خواہاں ہو ... ہر بغیر کسی منفعت بخش معاوضہ کا مال ... اپنے ملک کی

طاقت کے خیال پر کس طرح حقیقی خوشی اور آسودہ حالی محسوس کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاشزم کا سیاسی فلسفہ بالکل غیر اطمینان بخش غیر معقول اور ناقابل تسلیم ہے۔

فاشزم کے چند سالہ تجربات [illegible] کی کامیابی پر نظر ڈالتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک مختصری معاشی تنظیم کے علاوہ فاشستی آمریت ان معاشرتی مسائل میں سے جو سیاسی بدحالی کا سبب ہوتے ہیں کسی ایک کو بھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ فاشستی آمریت نے اقتصادی تباہی کے چند بدترین نتائج مثلاً بیروزگاری اور زرعی افلاس کا تدارک ضرور کیا ہے۔ لیکن ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جو ذرائع استعمال کئے ان سے نئی خرابیاں پیدا ہو گئیں وہ یہ ہے کہ بنیادی معاشرتی مسئلہ یعنی [illegible] طریقے سے دولت تقسیم کرنے کا مسئلہ ہے اپنی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ جرمنی اور اطالیہ دونوں ملکوں میں برابر موجود ہے۔ فاشزم اب تک معاشرتی اور اقتصادی کشمکش اور جھگڑا فساد کو دور نہ کر سکا ہے۔ اس نے محض ان وسائل اور ذرائع کو بدل دیا ہے جن کی بدولت مختلف معاشی اور معاشرتی جماعتوں میں کھینچ تان جاری تھی اور جن کے ذریعہ معاشرتی اور معاشی مخالفت اور تصادم کو دور کر سکتے ہیں۔ اس پرانے طریق کار کے بجائے جس میں سیاسی انتخابات ایجی ٹیشن مباحثوں اور معاملات کے ذریعہ اس قسم کے جھگڑوں کو نمٹاتے تھے۔ فاشزم نے ایک نیا طریقہ قائم کر دیا ہے جس کے ذریعہ تمام معاشرتی جماعتوں کے درمیان حکومت ثالث کی حیثیت سے فیصلہ کرتی ہے۔ حکومت معاشی معاملات کے متعلق احکام جاری کرتی ہے جن کی پابندی کارخانہ داروں پر اسی طرح عاید ہوتی ہے جس طرح مزدوروں اور کاشتکاروں پر لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کس کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاشرتی جھگڑوں کو چکاتی ہے نیز یہ کہ لفظ قوم کے کیا معنی ہیں۔ یہ سوالات ہیں جن کا اب تک کوئی معقول اور تسلی بخش جواب نہیں ملا ہے۔ اس صورت میں یہ واضح ہے کہ فاشستی ریاست خود بخود مٹنے والی اور ناقابل تغیر نہیں ہے اور اس کے مستقل طور پر قائم رہنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

کیا ہٹلر ترکی پر حملہ کرے گا!
ترکی لڑے بغیر راستہ ہرگز نہیں دے گا

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

ترکی کا معاملہ اس سے کچھ برعکس ہے۔ ہٹلر مایوس ہو کر ایک بڑے پیمانہ پر بازی لگائے گا اور شام پر حملہ کر دے گا جہاں برطانوی فوج جنرل منٹگمری کی آٹھویں فوج کی مدد کر رہی ہے اسی طرح ہٹلر مصر کے خلاف ایک مقرر [illegible] اقدام کی کوشش کرے گا۔ ہٹلر یہ اقدام اس وقت کرے گا جب اس کو ترکی سے راستہ ملے۔ ترکی لڑے بغیر راستہ ہرگز نہ دے گا اس کے معنی جنگ کے ہونگے۔ تب کیا ہٹلر ترکی پر حملہ کرے گا! یہ غالباً ایک اہم مسئلہ ہے ——— ترکی بجٹ سے بھی زیادہ اہم جس کے بارے میں کئی متضاد اطلاعیں گشت کر رہی ہیں۔

انقرہ ۱۳ نومبر ترکی کا ایک فوجی مشن جنرل [illegible] کی قیادت میں عنقریب برطانیہ روانہ ہوگا۔ جہاں وہ موجودہ آلات حرب کی تیاری کا مطالعہ کرے گا۔

برطانیہ روس اور امریکہ کا اتحاد ترقی کر رہا ہے

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

یہ ضروری ہے کہ وہ یورپ میں اخلاقی اور سیاسی وسائل کے اعتبار سے بتدریج گرتے جا رہے ہیں اور دن بدن کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ برطانیہ روس اور امریکہ کا اتحاد اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے دن بدن ترقی کر رہا ہے اور اس کے وسائل میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ہمارا پروگرام نازیت کے خلاف ایک مشترکہ محاذ قائم کرنے اور فتح حاصل کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ اس واقعہ سے انکار کرنا مشکل ہوگا کہ ہمارے اتحادی ملکوں میں [illegible] ان کے نصب العین اور ہیئت ترکیبی کے اختلافات موجود ہیں۔ ایک دوسرے سے بتدریج دور ہونے کے بجائے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اس اتحاد کے ارکان بتدریج ایک دوسرے سے قریب آجائیں۔ اور یہ اتحاد ایک زبردست اتحاد ہو جائے۔ گزشتہ سال کے واقعات سے اس کی کافی شہادت مہیا ہوئی ہے۔

برطانیہ سے معاہدہ

۱۹۴۱ء میں برطانیہ نے مشترکہ طور پر جنگ جاری رکھنے کے لئے ہم سے اتحاد کیا تھا۔ اس کے دس ماہ بعد جبکہ مولوٹوف انگلستان پہنچے تھے برطانیہ نے ہمارے ساتھ جنگ اور باہمی امداد کے لئے ایک معاہدہ پر دستخط کئے۔ اس معاہدہ کی مدت بیس سال ہے۔ روس اور انگلستان کے باہمی تعلقات کی تاریخ میں یہ واقعہ ایک انقلابی اقدام ہے۔ جولائی میں جب مولوٹوف امریکہ گئے ہوئے تھے روس اور امریکہ کے مابین حملہ آور کے خلاف باہمی امداد کی نسبت ایک سمجھوتہ ہوا۔ دوسرا اہم قدم جو اٹھایا گیا یہ تھا کہ مسٹر چرچل ماسکو آئے جہاں ہم ایک مکمل سمجھوتہ پر پہنچے۔

ایک ترکی جنرل سے ملاقات کے دوران میں ہٹلر نے کہا تھا کہ "ہم روس کا خاتمہ کر دیں گے اور وہ پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے گا"۔ یہ ایک بیہودہ خیال ہے۔ ہم جرمنی کو تباہ کرنے کی فکر میں مصروف نہیں ہیں کیونکہ جرمنی کو تباہ کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کہ روس کو۔ لیکن ہٹلر کی حکومت (نازی حکومت) کو تباہ کرنا ممکن ہے اور ضروری بھی (مسلسل تالیاں) ہمارا پہلا مقصد نازی حکومت اور ان افراد کو ختم کرنا ہے جو اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ جرمنی کی تمام فوجوں کو تباہ کر دیا جائے کیونکہ یہ ناممکن ہے۔ ہمارا دوسرا مقصد ہٹلر کی فوجوں اور ان کے قائدین کا قلع قمع کرنا ہے۔

نازی کیفر کردار کو پہونچیں گے

نازی درندے روسی قیدیوں کو سینکڑوں کی تعداد میں قتل کر رہے ہیں۔ ان کو فاقوں سے مار رہے ہیں۔ وہ شہری آبادی کو جس میں مرد عورت اور بچے ہمارے [illegible] قتل کئے جا رہے ہیں۔ [illegible] انسانیت سے گرے ہوئے اور ذلیل افراد ہی ان درندوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ایک ترجمان پر جدید یورپ کی تعمیر کی ہے۔ [illegible] معصوم انسانوں کو اس لئے سولی دے دیا کہ انہوں نے نازی [illegible] کا مانا یا مجبوراً [illegible] سے باز رکھا۔ انہوں نے [illegible]

تعلیم اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۴)

کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ ہندو اور مسلمان طلباء کو ایک دوسرے کے تمدن سے کچھ واقف کرایا جا سکے۔ سررشتہ تعلیمات نے تاریخ کی جو جدید کتابیں تیار کرائی ہیں ان میں بھی یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان مفید اثرات مرتب کریں اور ان میں ایک دوسرے کے تمدن اور تاریخ کا احترام کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

استادوں اور والدین کے فرائض

اپنی تقریر کے آخر میں علی اکبر صاحب نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے استادوں اور والدین کے فرائض پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور رواداری کے نقطہ نظر سے نصاب کتنا ہی موزوں کیوں نہ ہو اگر اس کا پڑھانے والا تعصب سے خالی نہ ہو تو نصاب کا یہ مقصد بالکل فوت ہو جائے گا۔ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے یہاں کے مدرسین کی ذمہ داری دوسرے ممالک کے مدرسین سے بڑھی ہوئی ہے ہندوستان کے مدارس کے لئے فرقہ وارانہ خیالات رکھنے والے مدرس کا وجود خواہ وہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مدرس کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لیا جائے۔ پیشہ تدریس کے لئے وہی شخص موزوں ہو سکتا ہے جس کو بچوں سے محبت ہو اور خواہ وہ ہندو ہوں مسلمان ہوں یا عیسائی سب کے ساتھ اس کا برتاؤ مشفقانہ اور مساویانہ ہو اور وہ ان میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہی فرائض والدین پر بھی عاید ہوتے ہیں کیونکہ طلباء میں رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے مدرسے کی کوشش اس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ والدین بھی مدرسہ کا ہاتھ بٹائیں۔ والدین کو چاہئے کہ طلباء کے سامنے ایسی گفتگو نہ کریں جس سے ان کے دلوں میں نفرت انگیز خیالات کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ آج کل کے حالات کے لحاظ سے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ مدرسین اور والدین متحدہ کوشش کر کے طلباء کو سیاسی اور فرقہ وارانہ تحریکات سے باز رکھیں۔ طلباء کو فرقہ وارانہ رنگ کے اخبار، رسائل اور کتابیں نہ گھر اور نہ مدرسہ میں پڑھنے کے لئے دی جائیں۔ جو طلباء بلحاظ عمر اور استعداد سیاسیات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کو سیاسیات کا مطالعہ کرنا چاہئے لیکن اگر وہ سیاسیات میں عملی حصہ لینے لگیں تو ان کا تعلیمی مفاد متاثر ہوگا اور ان کی تعلیم پر بہت برا اثر واقع ہوگا۔

---

۳ [illegible] پروگرام کا ایک نیا [illegible] کیا ہے اور اس کو وہ یورپ کا نیا نظام کہتے ہیں۔

ہمارا تیسرا مقصد جنگ یورپ میں اس نظام کا قلع قمع کرنا اور اس کے بانیوں کو کیفر کردار تک پہونچانا ہے۔ [illegible] ہم آزادی کی ایک بہت بڑی جنگ لڑ رہے ہیں ہم تنہا نہیں ہیں ہم اپنے اتحادیوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہیں۔ اس جنگ میں ہم کو نوع انسان کے دشمنوں اور فاسسٹی رجعت پسندوں پر فتح حاصل ہوگی [illegible]

کانگریسی حکومت نے بے اعتمادی پیدا کی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

جلد ہی تشکیل دی جائے اور جس میں ایک عنصر کو دوسرے عنصر کے تنگ حقوق سے دست بردار ہونا پڑے ہندوستان کے مستقبل کے لئے مہلک ثابت ہوگی۔ ہندوستان کو اپنے مستقبل سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ آزادی سے محروم کرنے کی کوئی سازش نہیں ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس مختلف عناصر ہمیں آزادی دلانے کے لئے مدد دینے تیار ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم اس آزادی کو حاصل کرنے کے لئے کافی طور پر متحد نہیں ہیں۔

میں پاکستان کے مسئلہ کی نسبت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ اس کو [illegible] ہے میں کہ [illegible] ہے کہ مسلم لیگ کو یہ اعلان کرنا چاہئے کہ وہ پاکستان میں کن علاقوں کو شامل کرنا چاہتی ہے کیوں کہ اس کے بغیر اس کی تائید یا مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ پاکستان کے اصول کو تسلیم کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ حق خود ارادیت کا اصول ہے جو انقلاب فرانس کے زمانہ میں معرض وجود میں آیا ہے۔ اب اس چیز کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اس میں کونسے علاقے شامل ہوں گے کیونکہ اکثر لوگ جو غیر جانبدار ہیں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں گے۔ میں اپنی حد تک یہ کہہ سکتا ہوں کہ باقی اختیارات کو صوبوں کے حق میں منتقل کرکے اس کو پاکستان کا بدل تصور کرنا ہندوستان کے مستقبل کے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ اگر مجھے اختیار دیا جائے تو میں صوبوں کو باقی اختیارات دینے کے بجائے میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ مسلم لیگ کو پاکستان دیا جائے۔

اخبار مملکت کا مطالعہ کیجئے



قائم شدہ [illegible]ء

سید عبدالرزاق اینڈ کمپنی

کیمسٹ خاص اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

شاخین		صدر دفتر
آکسفورڈ اسٹریٹ سکندرآباد	عابد روڈ	چارکمان حیدرآباد
فون نمبر [illegible]	فون نمبر [illegible]	فون نمبر [illegible]

مہاراجہ وجینیل ہیرآئیل

طلائی تمغہ یافتہ

بالوں کو بڑھاتا سفیدی کو روکتا ہے دماغ کو قوت آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتا اور فرحت بخشتا ہے۔

قیمت فی شیشی [illegible]

بھگوان اینڈ کمپنی گلزار حوض حیدرآباد

کفایت کی خاطر

ریڈیو لیگ کے رکن بن جائیے

لاوڈ اسپیکر کرایہ پر دئے جاتے ہیں
پرانے ریڈیو درست اور فروخت ہوتے ہیں

ریڈیو ہاسپٹل

توپ کا سانچہ حیدرآباد

عزیز

برادران

تاجران غلہ

نظام شاہی روڈ
حیدرآباد دکن

فون نمبر [illegible]

خزانہ عامرہ کی موڑ پر

بنارسی مال

کا مخزن

رام بخش جے چند (لاڈ بازار)

بیوپاریوں اور آرڈر پر سپلائی کرنے والا

تاج محل

ہیر ڈریسنگ سیلون

لیڈیز اینڈ جنٹس

روبروے دواخانہ

ڈاکٹر کرو سنگر ترپ بازار حیدرآباد

چند جدید اور گراں قدر کتابیں

عہد نبوی کا نظام تعلیم۔ از ڈاکٹر حمید اللہ (استاذ جامعہ عثمانیہ) [illegible]

عربی حبشی تعلقات۔ از نو دستیاب شدہ مکتوب بنام نجاشی از استاذ جامعہ عثمانیہ [illegible]

امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی
از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ [illegible]

قرآن اور سیرت سازی
از ڈاکٹر میر ولی الدین (استاذ جامعہ عثمانیہ) [illegible]

تاریخ عطیات آصفی
از نصیر الدین ہاشمی (مدد گار) [illegible]

تاریخ بہادر شاہی کی تلخیص (مصنفہ جگ جیون داس) شہنشاہ عہد اورنگ زیب (مترجمہ مرزا فرحت اللہ بیگ (بی اے) تحشیہ غلام یزدانی (ایم اے) [illegible]

تاریخ بیڑ۔ از باسط علی پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے شروع میں ایک جگہ لکھا ہے موصوف نے بڑی محنت سے یہ تاریخی مواد جمع کیا ہے۔

نیز۔ اردو ادب کی جملہ قدیم جدید کتابیں حیدرآباد کی کل مطبوعات ہمیشہ اس قدیم ادارہ سے طلب فرما کر سرپرستی فرمائیے۔

فہرستیں مفت

مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد

احمدیہ پریس چار مینار میں طبع ہو کر دفتر حکمت سانچہ توپ سے شائع ہوا۔